مادیت کی دلدل اور بچاؤ کی تدابیر

(بندہ مومن کے احساسات وتفکرات کے حوالے سے)

عالمی حالات کے تناظر میں

محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ

۴۰۰۔ بی لطیف آباد حیدرآباد

کتاب کا نام: مادیت کی دلدل اور بچاؤ کی تدابیر
(بندہ مومن کے احساسات وتفکرات کے حوالے سے)

مصنف: محمد موسیٰ بھٹو

کمپوزنگ: اسلامک کمپیوٹر کمپوزنگ سینٹر
لطیف آباد ۴ حیدرآباد

کمپوزر: مقصود احمد بھٹو (منصوری)

سال اشاعت: ستمبر ۲۰۱۷ء

پیسٹر: سہیل ''سلام''

ہدیہ: ۱۰۰ روپیا

پریس: یادگار پرنٹنگ پریس حیدرآباد۔

فہرست مضامین

۱	**تعارف**	۱۱
۲	نفسی قوتیں مادیت اور اسلام کا روحانی تصور	۱۳
۳	مادیت کی دلدل اور بچاؤ کی تدابیر (بندہ مومن کے کچھ حالات وتفکرات)	۲۵
۴	دوسروں کے عیبوں کی بجائے اپنے عیبوں پر گہری نظر کا ہونا	۲۵
۵	شہرت سے ڈرتے رہنا اور اسے آفت سمجھنا	۲۵
۶	اپنے اعمال صالحہ کی حالت کے قائم رہنے کے بارے میں خوف زدہ ہونا	۲۶
۷	اپنے دعوتی کاموں کی دادوتحسین سے بے نیاز ہونا	۲۶
۸	سب کی بھلائی چاہنے کی نفسیات کا پختہ ہونا	۲۶
۹	ذکر سے طبعی مناسبت کا ہونا	۲۶
۱۰	معاش کے سلسلہ میں اپنی توقعات کو اللہ سے وابستہ کرنا	۲۷
۱۱	نفس کی طرف سے پریشان کردہ صورتحال کی اللہ سے فریاد کرتے رہنا	۲۷
۱۲	حکمت کی بات کو اخذ کرنے سے بخل کا نہ ہونا	۲۷
۱۳	اس کی نیت کا اس کے عمل سے بہتر ہونا	۲۸
۱۴	دنیاوی آسائشوں اور راحتوں سے بچتے رہنا	۲۸
۱۵	زندگی کی حلاوت کا ذکر واطاعت سے وابستہ ہونا	۲۸
۱۶	صحت وبیماری وغیرہ کا اس کے لئے نافع ہونا	۲۸
۱۷	تزکیہ کے لئے خصوصی کوششوں کے بغیر دولت، علم اور افسری وغیرہ کا حجابات کا باعث ہونا	۲۹
۱۸	زندگی کے ہر موڑ پر سنبھل کر چلتے رہنا	۳۰
۱۹	دین کے حقیقی پیشواؤں پر اعتراضات سے مفاسد کا شکار ہونا	۳۰
۲۰	کفر اور کفر کی عالمی قوتوں کے خلاف سخت ہونا	۳۱
۲۱	اعمال کا اللہ کی بارگاہ تک پہنچنے کی راہ میں شدید حجابات کا ہونا	۳۱
۲۲	قرآن وسنت کی باطن کی تعمیر پر مشتمل تعلیمات کو فیصلہ کن اہمیت دینا	۳۲
۲۳	بندہ مومن کا اِس دنیا سے زیادہ اُس دنیا کا ہونا	۳۳

۲۴	نفس، شیطان اور مادیت پرستی کی قوتوں سے مقابلہ کے لئے اللہ کی پناہ میں آ جانا	۳۳
۲۵	حالات کے تغیر وتبدل سے خوف زدہ نہ ہونا	۳۴
۲۶	امت میں جوڑ پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہونا	۳۴
۲۷	عاجزی، انکساری اور دوسروں کی تکریم کے احساسات میں اضافہ کا ہونا	۳۵
۲۸	اپنی ہر مشکل کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے رہنا	۳۵
۲۹	بُرے لوگوں سے نفرت کی بجائے انہیں قابل رحم سمجھنا	۳۶
۳۰	بندہ مومن کو لاحق بے قراری اور اس کے پس پردہ حکمتوں و مصلحتوں کا ہونا	۳۶
۳۱	اجتماعی علوم سے اللہ کے نام کو نکالنے کی انسانیت کو ملنے والی سزا	۳۸
۳۲	ریاست کو اسلامی نقطہ نگاہ سے تبدیلی کا کام اور اس کی راہ میں رکاوٹیں اور اس کے لئے بہتر حکمت عملی	۳۹
۳۳	دینی سیاسی جماعتوں اور روحانی قیادت میں مالداری کے اطوار کے عام ہونے پر تشویش کا ہونا	۴۱
۳۴	معاشرہ کے کھاتے پیتے افراد کی بعض اہم خرابیوں کی نشاندہی	۴۲
۳۵	غربت کے خاتمہ کے لئے دولتمند سیاستدانوں سے کچھ معروضات	۴۳
۳۶	پاکستانی ملت کی دو بنیادی کمزوریاں کتاب سے رشتہ کا ٹوٹنا اور ذکر کے حلقوں سے دوری کا ہونا	۴۴
۳۷	ثقافتی تحریک کے فقدان کی وجہ سے مؤثر طبقات میں جاگیردارانہ میلانات کا غالب ہونا	۴۶
۳۸	حقیقی اہل اللہ کا اخلاقی اقدار اور روحانی پاکیزگی کا وارث ہونا	۴۷
۳۹	دعوتی کام کی اہمیت اور اس میں درپیش خطرات اور ان سے بچاؤ کی صورت	۴۹
۴۰	داعی کے لئے شیطان کے پھندے اہل ذکر اور دین کے دوسرے کام کرنے والوں سے متنفر کرنا اور امراء کو ان کی طرف متوجہ کرنا	۵۰
۴۱	مومن کو فقیری میں کامیابی اور بادشاہت میں ناکامی کا نقشہ نظر آنا	۵۱
۴۲	نفس، شیطان اور دنیا کے سحر سے بچنے کی ضرورت	۵۲
۴۳	انسانیت کو دعوت اسلام کی ضرورت	۵۳
۴۴	کنارے پر کھڑے ہو کر عبادت کرنے کے رجحان میں اضافہ اور اس کی تشریح	۵۵
۴۵	نفس پرست اور مادہ پرست ظالم ماحول سے ہجرت کی تاکید	۵۷
۴۶	تمدن کی سہولتوں سے پیدا شدہ مزاج سے مجاہدوں سے دستبردار ہونا	۵۸

۴۷	اولاد کی اصلاح کے لئے چہار طرف کی کاوشوں کا ہونا	۶۰
۴۸	دینی مدارس کا مؤثر کردار اور ان کی بعض کمزوریوں کی نشاندہی	۶۰
۴۹	جدید انسان کا المیہ اور اس کی قابل رحم حالت سے نجات کی صورت	۶۲
۵۰	روح کو لاحق بیماریاں اور افراد و معاشرہ پر اس کے اثرات ایک نظر میں	۶۶
۵۱	ذکر کی بعض اہم خصوصیات	۷۰
۵۲	دولت کی زیادتی سے پیدا ہونے والی بعض خرابیاں	۷۳
۵۳	مغربی تہذیب سے مرعوبیت کی المناک روش	۷۴
۵۴	مالداروں کی سنگ دلی پر خون کے آنسو بہانا	۷۶
۵۵	روحانی صلاحیتوں کی بیداری کی ضرورت	۷۶
۵۶	اللہ کی راہ محبت میں چلے بغیر معاشرہ کو کام کے افراد کار کا دستیاب نہ ہونا	۷۷
۵۷	بندہ مومن کا جذبہ جہاد سے سرشار ہونا	۸۰
۵۸	بندہ مومن کی شخصیت کے توازن واعتدال کا ذکر سے وابستہ ہونا	۸۱
۵۹	ذکر کو فیصلہ کن اہمیت نہ دینے والی اسلامی فکر کے نقائص	۸۲
۶۰	دین کے نام پر معاشرہ میں ملنے والی حیثیت کا امتحان ہونا	۸۳
۶۱	دل کی تبدیلی کے کام کی اہمیت اور اس سے فرد کی ساری انسانیت کا وابستہ ہونا	۸۴
۶۲	صحبت کے اثرات	۸۸
۶۳	شہرت کی دو قسمیں آزمائش وانعام کی حامل شہرتیں	۸۹
۶۴	مالداری کے میلانات ورجحانات سے بچاؤ کی صورت	۹۱
۶۵	غربت کے شکار افراد کی امداد سے اعراض کی عمومی روش	۹۱
۶۶	خوشحال افراد کی ملی ضروریات سے بے نیازی و بے حسی کی روش اور اس کے اثرات ونتائج	۹۳
۶۷	نیک ارادوں سے قائم جدیدیت کا مقابلہ کرنے والے تعلیمی اداروں کی صورتحال	۹۵
۶۸	نفس لوامہ کو طاقتور بنانے کے لئے وقت نکالے بغیر چارہ کار کا نہ ہونا	۹۷
۶۹	مسائل ومصائب کا بڑھتا ہوا بحران	۹۸
۷۰	جذبہ جہاد وقتال اسلام کے تحفظ کا موثر ذریعہ	۹۹
۷۱	ہمہ گیر نوعیت کے بحران کو سمجھنے کی ضرورت	۱۰۱
۷۲	انسان کی سہولت پسندی	۱۰۲

۷۳	انسانیت کو غم خوار انسانوں کی ضرورت ہے	۱۰۳
۷۴	بیدار دل کی ضرورت	۱۰۴
۷۵	دین و مذہب کے نام پر بڑھتی ہوئی عدم خیر سگالی کی فضا اور اس کے تدارک کی ضرورت	۱۰۵
۷۶	مغرب کی بعض خوبیوں کی وجہ سے اسے دنیا کی قیادت کے مقام کا حاصل ہونا	۱۰۷
۷۷	انسانی نصب العین کے تعیین کے بارے میں جدید ماہرین نفسیات کا تجزیہ اور اس پر تنقید	۱۰۸
۷۸	خدمت دین کے محاذ پر کام کرنے والی جماعتوں کا جائزہ	۱۰۹
۷۹	ملت کے ذہین و باصلاحیت افراد کو دی جانے والی تعلیم کا مادیت پرستی پر مبنی ہونا اور اس کے تباہ کن اثرات کا ہونا	۱۰۹
۸۰	اخوان المسلمون کے کام پر ایک نظر	۱۱۱
۸۱	جماعت اسلامی کا کام اور اس کی فکر ایک نظر میں	۱۱۲
۸۲	تبلیغی جماعت کے کام کا جائزہ	۱۱۴
۸۳	بزرگی کے سستا ہونے اور اس کے معیار کے گرنے کا المیہ	۱۱۵
۸۴	درویشوں کی صحبت کے بغیر نفسی قوتوں اور مادیت پسند قوتوں سے معرکہ آرائی کا مشکل ہونا	۱۱۷
۸۵	دنیا داروں کی پسندیدہ چیزوں سے ناپسندیدگی کے بغیر نفس نہیں سنورتا	۱۱۷

۸۶	دعوتی کام کے لئے ضروری صفات حضرت مولانا سعید احمد خان کی نظر میں	۱۱۹
۸۷	خوف، بھوک اور جان و مال کے نقصان کی گھاٹیوں سے نکالنے کی صورت	۱۲۰
۸۸	دین کے حقیقی فہم کی سعادت کا ساری سعادتوں پر بھاری ہونا	۱۲۱
۸۹	حقیقی اہل اللہ کی قدر و قیمت کے بغیر جماعتوں کی حالت	۱۲۲
۹۰	طاغوت کی مختلف صورتیں اور عہد جدید کے طاغوت کو سمجھنے کی ضرورت	۱۲۳
۹۱	مادی قوتوں کو شکست دینے میں اللہ سے والہانہ محبت کا کردار	۱۲۵
۹۲	اپنے مجاہدوں پر ناز کرنے کی روش سے بچنے کے لئے کوشاں ہونا	۱۲۷
۹۳	دعویٰ اور اپنے آپ کو افضل سمجھنے کی بعض علامتیں	۱۲۸
۹۴	جدید ذہین افراد کی دو کمزوریاں	۱۲۹
۹۵	اللہ، اللہ کرنا، دنیا کو باقی رکھنے کا ذریعہ	۱۲۹
۹۶	نفس کی فنا اور اس کے مراحل فنائے نفس کے بغیر نفس کا مہذب نہ ہونا	۱۳۰
۹۷	حقیقی اہل للہ کی کچھ علامتیں	۱۳۳
۹۸	مسلم امت کی زبون حالی کا سبب اللہ کے رسول ﷺ کی نظر میں	۱۳۳
۹۹	حاصل کلام	۱۳۵

تعارف

آج ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں، یہ مغربی تہذیب کے غلبہ کا دور ہے۔ یہ تہذیب اپنے طاقتور آلات کے ذریعہ ملکی سرحدوں کی حدود، درسگاہوں اور گھروں کی دیواروں کو عبور کرکے، افراد کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ چکی ہے۔عورت ومرد اس تہذیب کے مظاہر پر فریفتہ ہورہے ہیں۔

اس تہذیب کی پیدا کردہ ایجادات نے اگرچہ انسان کو بہت ساری سہولتیں بھی پہنچائی ہیں، آمدورفت اور رابطہ میں آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں، گرمی وسردی سے بچاؤ کے لئے انتظامات ہوگئے ہیں، خوبصورتی اور زیب وزینت کے نت نئے سامان ایجاد ہوئے ہیں، انسانی جسم کو لاحق بعض اہم بیماریوں کے علاج میں سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں۔ ظاہری روشنی اور چمک دمک میں اضافہ ہوا ہے۔

لیکن اس تہذیب کے منفی پہلو ایسے ہیں، جس نے انسانوں کی زندگیوں کو زہرناک بنادیا ہے۔ ان منفی پہلوؤں میں باہمی محبت، شفقت، ایک دوسرے کے کام آنے کے جذبات کو مدھم کرنا شامل ہے۔اس تہذیب نے رشتوں کے تقدس کو ختم کردیا ہے، دولت کو سب سے بڑے معبود کی صورت دے کر، اس کی پرستش کے رجحانات میں اضافہ کردیا ہے۔عزت وتوقیر کے معیار شرافت، تقویٰ، دینداری وغیرہ کو ختم کرکے، دولت اور مادی شان وشوکت ہی کو عزت کا معیار بنادیا ہے، قلبی سکون کی نعمت عظمیٰ کو سلب کر دیا ہے۔ ڈپریشن کے مرض میں ہولناک حد تک اضافہ کر دیا ہے۔ افراد کو خوداعتمادی کے بحران سے دوچار کردیا ہے۔

مالداروں کو احساس برتری اور غریبوں کو احساس کمتری کے امراض میں مبتلا کردیا ہے۔ افراد کو پاکیزہ اخلاقی وروحانی قدروں سے بے بہرہ کر دیا ہے۔ نفسانفسی کی

ہولناک فضا پیدا کردی ہے۔ معاشرہ کے ہر طبقہ کے افراد کو عزت کے مصنوعی معیاروں کے حصول کی خاطر ایک دوسرے سے متصادم کردیا ہے۔

غرض کہ اس مادی تہذیب نے رونق اور زیب وزینت کے نت نئے سامان کی قیمت پر انسان کے دل اور روح کو آخری حد تک بے چین کر دیا ہے۔ دل وروح کی بڑھتی ہوئی اس بے چینی نے ہی انسان سے انسانیت اور محبت ورواداری، ہمدردی اور مشکل وقت میں ایک دوسرے کے کام آنے کی حسوں کو مسدود کردیا ہے۔

مسلم معاشرہ جو پاکیزہ اسلامی تہذیب کا حصہ رہا ہے، وہ بھی اب تیزی سے مغربی تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے اس سارے فساد سے دوچار ہورہا ہے، جس فساد سے اہل مغرب بہت پہلے دوچار ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں افرادِ معاشرہ کو مادیت کی دلدل سے بچاکر، اپنی پاکیزہ تہذیب کی پاسداری کی طرف لانے کی سخت ضرورت لاحق ہے۔

زیرنظر کتاب میں حقیقی بندہ مومن کے حالات،احساسات اور تفکرات کے حوالے سے انہی مسائل پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔اور معاشرہ کے مختلف طبقات کی کمزوریوں کی بڑی دردمندی وفکرمندی اور تفصیل سے نشاندہی کرکے، اصلاح کا لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع بنائے اور مصنف کی اس کوشش کو اپنے ہاں قبولیت کا شرف عطا فرمائے۔

۷، اگست ۲۰۱۷ء — **محمد موسیٰ بھٹو**

حیدرآباد۔ سندھ

نفسی قوتیں۔ مادیت کی دلدل

اور اسلام کا روحانی تصور

(۱)

جدید انسان کو تعلیم و تربیت، روزگار، ملازمت اور کاروباری سرگرمیوں کا جو ماحول ملا ہے، وہ مادی سوچ کو فروغ دینے کا ماحول ہے، نفسی قوتوں کو مشتعل کر کے ان قوتوں کو غالب کرنے کا ماحول ہے، خدا، مذہب، اور روحانیت سے دور کرنے کا ماحول ہے۔ یہ ماحول اسے نفس کی غلامانہ اداؤں کی زنجیروں میں جکڑنے کا باعث بن رہا ہے۔

جدید دور کے اس ماحول اور مادی سرگرمیوں کی تیزی نے فرد کے لاشعور میں فیصلہ کن تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔ اتنی اہم تبدیلیاں کہ دینی و مذہبی جماعتوں سے وابستہ افراد ہوں یا تصوف سے متعلق افراد (ایک مختصر تعداد کو چھوڑ کر) ہم میں سے لگ بھگ ہر فرد پر مادی خوشحالی اور زیب و زینت کے سامان سے بہرہ وری کی فکر غالب ہے اور خوشحال مادی زندگی سے محرومی پر نفس پر واویلا کی کیفیت طاری ہے۔

ایک عالم اور ایک صوفی اصلاح کی مجلسوں میں مادی دنیا سے محبت سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے اور تلقین کرتا ہے، لیکن ساتھ ساتھ اس کی سرگرمیوں میں مادی پہلو غالب ہوتا ہوا بھی نظر آ رہا ہوتا ہے۔ وہ بہتر سے بہتر گاڑی اور بنگلہ اور املاک کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔

یہ ساری صورتحال ایسی ہے، جو مادیت کے بہت بڑے طوفان کا پیشہ خیمہ ہے۔ اس طرز فکر سے صالح، متقی اور پاکیزہ انسان سامنے آنے کی بجائے مادی نوعیت کا انسان سامنے آتا ہے۔

جب مذہبی انسان اور تصوف کا دعویدار فرد مادیت کے اس طوفان کی نذر ہو جائے تو غور و فکر کی ضرورت ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے اور اس کا مداوا کیا ہو سکتا ہے۔

ہماری نظر میں نفسی قوتوں اور مادیت کے غلبہ کی اس ساری صورتحال کا بنیادی سبب روح کی نزاکتوں و لطافتوں اور اس کی حقیقی غذا اور اس کی نوعیت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

روح کی غذا کثرت ذکر ہے۔ اس کے بغیر روح کی کسی بھی طور پر تسکین کا ہونا ممکن نہیں۔

روح کی ذکر کی یہ غذا ایسی ہے، جو زندگی کی آخری سانسوں تک اسے دینا پڑتی ہے۔ فرد نے زندگی کے جس موڑ اور مرحلہ پر بھی روح کو اس کی حقیقی غذا دینے کے عمل میں سستی کا مظاہرہ کیا، اسی موقعہ پر وہ بتدریج نفسی قوتوں اور مادیت کے حملوں کا شکار ہونا شروع ہو جائے گا۔ قرآن میں انبیاء کرام تک کو ذکر کی تاکید فرمائی گئی ہے (**اذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي.**) یہ تلقین بتاتی ہے کہ اللہ کے ذکر سے کوئی فرد بھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔

فضا میں مادی سرگرمیوں کی گونج اتنی زیادہ چھائی ہوئی ہے کہ لگ بھگ ہر فرد کو ہر وقت ایک ہی پیام مل رہا ہے کہ مادی خوشحالی اور مادی نعمتوں سے بہرہ وری کے بغیر زندگی بے معنیٰ ہے۔ زندگی کا حقیقی لطف تو دولت اور سامان دنیا سے ہی وابستہ ہے۔ مذہبی و روحانی قیادت کی طرف سے بڑی بڑی گاڑیوں کے مناظر و مظاہر کی وجہ سے اب اس طرز فکر و طرز عمل کو معیوب سمجھنے کی بجائے اسے بہتر سمجھا جانے لگا ہے۔ اور اس کی ریس پیدا ہو گئی ہے۔

اس طرح حالات میں ایسے اصحاب دعوت عزیمت جو روحانیت کی بالیدگی اور اپنے تزکیہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کے تزکیہ و تربیت کے کاموں میں مصروف ہیں اور دنیا کے حوالے سے اپنے کم سے کم حصہ پر راضی ہیں، یہ لائق تحسین شخصیتیں ہیں اور ہمارے لئے قابل تقلید بھی۔

مادی سرگرمیوں کے موجودہ دوڑ میں اس طرح کی شخصیتوں کی صحبت سے بھرپور استفادہ کر کے، اپنی آخرت بنانا اور اللہ کی محبت کے ارتقائی مقامات طے کرنا، یہ سب سے بڑی سعادت کا کام ہے، جو خوش نصیب اور فطرت سلیمہ کے حامل افراد ہی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ (اللہ سے کیا بعید ہے کہ وہ ہمیں ایسی شخصیتوں کی مسلسل صحبت سے فیضیاب فرمائے)۔

(۲)

اللہ کے ذکر کے روزمرہ کے معمول کو برقرار رکھنا، فرد کے لئے زندگی اور موت کے

مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے، ذکر میں ناغہ سے زندگی دشوار ہوجاتی ہے۔ ذہنی بھٹکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے، دن بھر اشتعال کا غلبہ رہتا ہے۔ دنیا کی ہیبت طاری ہونے لگتی ہے۔ احساسات نازک سے نازک تر ہونے لگتے ہیں، دل اور زبان بے قابو ہونے لگتی ہیں۔ دوست واحباب اور عزیز واقارب اور جاننے والوں کے کردہ یا ناکردہ منفی کاموں کے تذکرہ یعنی ان کی غیبت کے لئے دل مچلنے لگتا ہے۔ روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے مسائل پہاڑ بن کر سامنے آنے لگتے ہیں۔ مستقبل کے معاشی تفکرات گھیر لیتے ہیں۔ دماغی توازن بڑی طرح متاثر ہوتا ہے، اپنی بڑائی اور دوسروں کی تحقیر کے احساسات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اپنے علاوہ سب کی خامیوں کے بارے میں فرد کی حساسیت تیز ہونے لگتی ہے۔

زندگی میں یہ اتنا زبردست خلا ہے، جو عدم ذکر کے نتیجہ میں پیدا ہونے لگتا ہے اور فرد کو اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی نام ہی ذکر کا ہے اور موت نام ہے ذکر سے محرومی کا، یہ موت دراصل روح کی موت ہوتی ہے، ذکر سے روح میں تروتازگی اور توانائی پیدا ہوتی ہے۔ روح یہ توانائی سارے اعضا میں منتقلی کا ذریعہ بنتی ہے۔

ذکر کی اس اہمیت وحقیقت کا ادراک اہل ذکر بالخصوص راہ سلوک میں چلنے والوں ہی کو ہوسکتا ہے۔ دوسروں کو اس کا ادراک حاصل ہونا دشوار ہے۔

جب ذکر کی اہمیت وحقیقت سے آشنائی ہوجاتی ہے تو فرد کا وقت سب سے زیادہ قیمتی ہوجاتا ہے اور فرد وقت کے ضیاع کا متحمل نہیں ہوسکتا اور وہ چاہتا ہے کہ انتہائی ضروری کاموں کے علاوہ اس کا باقی سارا وقت ذکر ہی میں صرف ہو، اس لئے کہ ذکر کی حلاوت دنیا کی زیب وزینت، رونق، مال ودولت سے اس کے دل کو سرد کر دیتی ہے۔

ہر دور کے حالات وتقاضے مختلف ہوتے ہیں یہ دور معاشی تگ ودو کا دور ہے۔ اس دور میں فرد کو وقت کا قابل ذکر حصہ معاشی سرگرمیوں میں دینا ہوتا ہے، یہ لگ بھگ ہر فرد کی ناگزیر مجبوری ہے، ان حالات میں فرد اگر اپنے ذکر کے دورانیہ کو ڈیڑھ سے دو گھنٹہ تک پہنچانے میں کامیاب ہو تو یہ اس کے دل اور ورح کی تسکین کے لئے کافی ہے، اس سے فرد کو اتنی خوراک مل جائے گی، جس سے وہ روزمرہ زندگی کے مسائل، ذہنی دباؤ، جھنجھلاہٹ، اشتعال، بے زاری اور دوسروں کی اذیت رسانی سے ان شاء اللہ بچ جائے گا اور ذکر کا یہ دورانیہ اسے حد اعتدال میں رکھ سکے گا۔

موجودہ دور نفسی قوتوں کے اشتعال کا دور ہے، نئے نئے فتنے ہر وقت حملہ آور ہیں، مادی قوتیں نئے نئے سازوسامان اور اسلحہ سے دل اور روح پر وار کرنے کے لئے تیار رہتی ہیں، اس طرح کے حالات میں اگرچہ کثرت ذکر کی ضرورت ہے اللہ کا فضل وکرم غیر معمولی مجاہدوں پر ہی منحصر نہیں ہے، نامساعد حالات اور فاسد ماحول میں اللہ کی طرف کسی حد تک رجوع اور اس کے ذکر کے لئے تھوڑا سا وقت نکالنا بھی بڑے اجر وثواب کا باعث ہے، اور وہ اللہ کی رحمتوں کو شامل حال کرنے کے لئے کافی ہے۔ موجودہ دور جہاں دجالی تہذیب نے جائز معاشی ضروریات کے حصول کے لئے بھی معاشی سرگرمیوں کے دائرہ کار کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔ فرد جب تک وقت کا قابل ذکر اور سب سے قیمتی حصہ معاشی سرگرمیوں میں خرچ نہیں کرتا، اسے مطلوبہ آمدنی حاصل نہیں ہوتی۔ اس طرح کے حالات میں ڈیڑھ دو گھنٹہ کا وقت ذکر کے لئے نکالنا، یہ ان شاء اللہ اصلاح نفس کے حوالے سے مادیت کی پیدا کردہ ساری رکاوٹوں اور حجابات کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ ذکر کے لئے اتنے وقت سے ہی انشاءاللہ وہ فوائد وثمرات حاصل ہوں گے، جو پہلے بہت زیادہ وقت دینے سے حاصل ہوتے تھے۔ اس لئے کہ جو سپاہی طاقتور ڈاکوؤں سے مقابلہ کے لئے حوصلہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں ہلاک کرتے ہیں، وہ لاکھوں کے انعام کے مستحق ہوتے ہیں، جو افراد دجالی تہذیب کے عروج کے غلبہ کے دور میں اللہ کے ذکر کے لئے وقت نکالتے ہیں، وہ نوازے جاتے ہیں، ان کے ذکر کے مختصر دورانیہ میں ہی وہ برکت ڈالی جاتی ہے، جس سے وہ بتدریج نفس پرفتوحات حاصل کر کے، اللہ سے قرب کے مقامات طے کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ تاہم ذکر وفکر کا روزانہ کا یہ دورانیہ بتدریج ڈیڑھ دو گھنٹے تک ضرور پہنچنا چاہئے، اس سے کم ذکر میں دجالی تہذیب کے پیدا کردہ چیلنج سے مقابلہ کر کے، نفس کو حد اعتدال میں رکھنا غیر معمولی طور پر دشوار ہے۔ اس کے بغیر روحانی ارتقا کی امید رکھنا دشوار ہے، یاد رکھیں، ذکر وہ جوہر حیات ہے جو مادیت کی دلدل میں پھنسنے والے اور روحانی طور پر مردنی کی حالت کو پہنچنے والے فرد کو اٹھا کھڑا کر دیتا ہے، اور اس کے لئے ساری روحانی بیماریوں سے بچاؤ کا ذریعہ بنتا ہے۔ لیکن اس کے لئے اہل ذکر اور صالح افراد کی صحبت ضروری ہے۔ صالح افراد کی حیثیت اس طاقتور مشین کی طرح ہے جو مشین پاؤں سے گلے تک دلدل میں پھنسے ہوئے فرد کو نکال باہر کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

اس لئے زندگی سے مایوس اور سنگین سے سنگین مسائل کے شکار افراد کے لئے مایوسی کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں، ہمت وحوصلہ کے مظاہرہ کے ساتھ صالح صحبت کے ماحول میں داخل ہونے کی ضرورت ہے، صالح صحبت کے ماحول کی مثال ان طاقتور پرندوں کی سی ہے، جو شکار سے زخمی ہونے والے پرندوں کو اپنے پروں پر بٹھا کر اپنے ساتھ لے جانے کا باعث ہوتے ہیں اور کچھ دن اپنے ساتھ رکھکر ان کی اڑنے کی پرواز کی بلندی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

علم وذہانت، مطالعہ اور تربیت کے نظام کی اپنی جگہ اہمیت ہے، ان کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن خالص روحانی واخلاقی بیماریوں سے بچاؤ، نفسی قوتوں کی تہذیب اور مادیت کی یلغار سے بچاؤ کے سلسلہ میں علم، ذہانت اور تربیت کا جدید نظام اس سلسلہ میں کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے کہ علم وذہانت کی خصوصیات عقل کی بھول بھلیوں میں پھنسے رہنا ہے اور عقل محض اکثر نفسی قوتوں کے تابع ہوتا ہے، نفس، عقل کو یرغمال بنا کر اسے اکثر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے میں کامیاب ہوتا ہے، تہذیب نفس، تزکیہ نفس، اور مادیت کی اداؤں سے بچاؤ اور مہذب اور پاکیزہ انسان بننے کی صورت تو ایک ہی ہے، وہ صورت صالح انسانوں کی صحبت کے ذریعہ اللہ کے ذکر میں پناہ لینا ہے، جب فرد، ذکر کا سہارا لے کر روحانیت اور تہذیب نفس کے ارتقائی مراحل طے کرنے لگتا ہے تو اس کے بعد ہی علم وذہانت نافع ثابت ہوتے ہیں۔ ایسی ذہانت اور ایسا علم، جس کی پشت پر ذکر کا نور موجود ہو، وہ افراد معاشرہ میں تبدیلی کا ذریعہ بنتی ہے، اس لئے کہ علم وذہانت اور روحانیت وروحانی صلاحیتیں جب یکجا ہوجاتی ہیں تو علمی حلقہ اس طرح کے صاحبوں کے سامنے خودسپردگی اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

(۳)

واضح ہو کہ جب ہم روحانیت کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصود روح اور روحانیت کے سلسلہ میں اسلام کا پیش کردہ تصور ہوتا ہے، اسلام کہتا ہے کہ روح امر ربی ہے، اور وہ انسان کی اصل ہے، انسان کی زندگی اسی روح سے وابستہ ہے۔ روح کی رخصتی سے انسانی جسم مردہ ہوجاتا ہے۔ روح کی اس بنیادی اہمیت کی وجہ سے اس کی غذا اور ضرورت کو

سمجھنا ناگزیر ہے، روح کی نوعیت یہ ہے کہ وہ ایک بار محبوب کے حسن کا مشاہدہ کر چکی ہے، اب اسے مادی جسم کی صورت میں ایک طاقتور مادی قوت دے کر دنیا میں ابتلا وآزمائش کے لئے، بھیجا گیا ہے۔ روح محبوب حقیقی حسن کا مشاہدہ چاہتی ہے۔

روح محبوب کے پاکیزہ اوصاف سے بہرہ وری چاہتی ہے۔ روح محبوب کے صفات سے اخذ فیض چاہتی ہے۔ روح محبوب کی اطاعت کے ذریعہ مادی نفس کی تہذیب اور اس کا تزکیہ چاہتی ہے۔ روح اپنی پرواز کو بلند کرکے، عالم بالا کی سیر چاہتی ہے۔ روح، دوسری دنیا، آخرت کی دنیا میں محبوب کی رضا چاہتی ہے۔ روح، نفس کی مادیت پر فداؤں کی ادا سے بلندی چاہتی ہے، روح اپنے محبوب کی طرف سے بھیجی گئی تعلیمات کو زندگی کا وظیفہ بنانا چاہتی ہے۔ تاکہ مادیت اور نفسی قوتوں سے چھٹکارا حاصل ہوکر، محبوب سے محبت کے ارتقائی مراحل طے ہوسکیں۔

روح کے یہ تقاضے ایسے ہیں، جو اسلام کو نظام زندگی کی حیثیت سے اختیار کرنے کے نتیجہ میں ہی پورے ہوسکتے ہیں۔ روح کی محبوب کی طرف پرواز کی راہ میں نفسی قوتیں شدید رکاوٹ ہیں۔ ان نفسی قوتوں پر ضابطہ کے لئے اللہ نے اسلام کی صورت میں پورا نظام حیات عطا فرمایا ہے۔ ہر دور کے انبیاء کرام نے جو تعلیمات پیش کی ہیں، وہ اسلامی تعلیمات ہی ہیں۔ جو نفس کے تزکیہ اور روح کی بالیدگی پر مشتمل ہیں، اسلام تمام انبیاء کرام کی تعلیمات کا ایک تسلسل اور اس کا حاصل ہے۔

اب روح کی ساری ضروریات کے تسکین کے لئے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے، اس لئے مادی تمدن اور تمدنی ترقی کی صورت میں انسانی شخصیت کے لئے جو دنیا سجائی گئی ہے، اس میں تہذیب، وقار، شائستگی اور پاکیزگی واعتدال کے لئے اسلامی تعلیمات کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ روح کی پرواز نفسی قوتوں سے وابستہ کردی گئی ہے۔ جب یہ نفسی قوتیں تہذیب کے مراحل سے گذرتی ہیں اور افراد کا تہذیب نفس کا عمل شروع ہوکر نفس، نفس مطمئنہ کا حامل ہوتا ہے تو روح کامل تسکین کی حالت پر آجاتی ہے۔

عام طور پر ہر دور کا تمدنی نظام نفس پرستی کی بنیادوں پر متشکل ہوتا ہے، جو روح پر نفس کی کی گرفت کو شدید سے شدید تر کردیتا ہے، اس سے روح کی حالت وہ ہوجاتی ہے کہ محبوب

سے محبت کے اس کے ارتقائی راستے مسدود ہوجاتے ہیں، محبوب کے اوصاف سے فیضیابی کا عمل بند ہوجاتا ہے، یہی وہ چیز ہے، جو روحانی زندگی کی موت کا سبب بنتی ہے۔ جب قومیں زوال کی اس حالت تک پہنچ جاتی ہیں تو وہ اللہ کے عتاب وعذاب کا شکار ہوجاتی ہیں۔ ماضی میں عذاب قوموں کی قوموں کے صفحہ ہستی سے مٹانے کی صورت میں واقع ہوتا تھا، اب یہ عذاب قوموں کے لئے ترقی یافتہ حیوان اور حیوانی اعمال کی صورت میں ظاہر ہورہا ہے۔ یہ عذاب ایک طرح سے پہلے عذاب سے زیادہ شدید ہے، اس لئے کہ اس عذاب کے نتیجہ میں انسان سے انسانیت کا شرف سلب کردیا جاتا ہے۔ اور قومیں روحانی، نفسیاتی، ذہنی اور وجدانی طور پر ہمہ وقت موت کے سے حالات سے دوچار ہوجاتی ہیں۔ وہ نفسیاتی امراض، اور طرح طرح کی جسمانی بیماریوں کا شکار ہوکر مفلوج ہوجاتی ہیں، خودکشی کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ موجودہ دور میں یہی کچھ ہورہا ہے۔

موجودہ دور کی مادیت پرست قوموں کا یہ حشر بتاتا ہے کہ روحانی تسکین اور تزکیہ نفس کی پورے نظام کے بغیر مادی ترقی عذاب سے کم نہیں۔

(۴)

ہماری روحانیت اور تزکیہ کا تعلق اسلام کے پورے نظام فکر وعمل کو اختیار کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے ہے، یہ روحانیت محض ذکر وفکر کے ذریعہ روح کو جلا دینے کا نام نہیں ہے۔ روح کی حقیقی طمانیت وتسکین محبوب حقیقی کی اطاعت، اس کے اوصاف سے اخذ فیض اور زندگی بھر کے معاملات میں اس کے دیئے ہوئے دستور العمل اور انسانی جوہروں سے بہرہ وری سے وابستہ ہے۔ ایسی روحانیت، جس میں اسلام کے پورے نظام فکر وعمل سے وابستگی وتعلق خاطر نہ ہو، وہ جوگیوں اور راہبوں کی روحانیت تو ہوسکتی ہے۔ اسلام کی پیش کردہ روحانیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اسلام، روح اور جسم اور ظاہر وباطن دونوں کی تہذیب وتزکیہ کے ذریعہ ایسا پاکیزہ نظام تشکیل دینا چاہتا ہے، جو انسانیت کو وحدت کے رشتہ میں جوڑ سکے، جس سے دین ودنیا کے سارے مسائل سلجھ سکیں۔

جب روح اور جسم ایک دوسرے لئے جزولاینفک ہیں اور اس زندگی کے بعد بھی

آخرت کی ابدی زندگی دونوں کی وحدت سے قائم رہے گی تو ایسی روحانیت جس میں دونوں کی جدائی کا تصور ہو اور مادی جسم اور مادی زندگی کے معاملات میں تزکیہ واحسان اور تہذیب کا مظاہرہ نہ ہو، انفرادی واجتماعی زندگی میں افراد سے انسانیت کے شایان شان کردار وجود میں نہ آسکے تو ایسی روحانیت اللہ محبوب کے ہاں کسی قدر وقیمت کی مستحق نہیں، بلکہ اطاعت سے خالی روحانیت معیوب کے عتاب کا موجب ثابت ہوگی، اسلام کی روحانیت اور تزکیہ کے تصور میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور ان بنیادوں پر ہی روحانیت اور تزکیہ کا عمل شروع ہوتا ہے۔ پھر اس روحانیت اور تزکیہ کے تصور میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد کی حیثیت فرائض کی سی ہے، جن پر اسلامی روحانیت اور تزکیہ کی عمارت مستحکم ہوتی ہے۔

ان اعمال کے ساتھ ساتھ کثرت ذکر سے روحانیت اور تزکیہ کے عمل میں ارتقا ہوتی ہے اور روح کو مزید جلا ملتی ہے اور فرد وافراد کے لئے محبوب کے مشاہدہ اور اس سے قرب کے مقامات طے ہوتے ہیں۔

اسلامی روحانیت وتزکیہ کا یہ وہ تصور ہے، جس کا خاکہ قرآن وسنت میں موجود ہے۔ اس سے ہٹ کر اسلامی روحانیت کا دوسرا کوئی تصور نہیں ہے۔

یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کی صحت اور نماز روزہ حج وزکوٰۃ اور جہاد کے فرائض کی ادائیگی اور کثرت ذکر۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی روحانیت کا سارا تعلق ایسے تزکیہ سے ہے، جس سے اخلاص وتقویٰ کی حالت مستحکم ہو اور اسلام کے نظام زندگی پر عمل پیرا ہونے کے راستے ہموار ہوں، اسلام میں اس سے جداگانہ روحانیت کا تصور قابل قبول نہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ روح کو نفسی قوتوں کی یرغمالی سے بچانے کے لئے ابتدا میں کچھ عرصہ کے لئے فرد کو ذکر وفکر کے مجاہدوں اور عبادت کے لئے یکسو ہونا پڑتا ہے۔ یا اس کے لئے کچھ زیادہ وقت دینا پڑتا ہے، تاکہ روح یکسو ہوکر ذکر وفکر کے ذریعہ نفسی قوتوں کے مقابلہ کے ذریعہ ان پر فتحیابی حاصل کرسکے اور زندگی کے سارے مسائل میں محبوب حقیقی کی تعلیمات کے مطابق عمل پیرا ہونے کا اس کا ملکہ مستحکم ہوسکے۔

اسلامی روحانیت وتزکیہ کا یہ تصور ایسا ہے جو صاف وشفاف ہے، اور وہ جامع تصور ہے، اس سے اسلام کے سارے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔

صحیح روحانیت کا یہ تصور ایسا ہے، جو اسلام سے وابستہ سارے طبقوں اور گروہوں کے لئے قابل قبول ہوسکتا ہے، اسلام کے روحانیت کے اس تصور سے روحانیت، تزکیہ واصلاح نفس کے نام پر وہ سارے سلسلہ کالعدم ہوجاتے ہیں، جو توحید، رسالت اور آخرت کے صحیح عقائد، نماز، روزہ حج زکوٰۃ اور جہاد کی بنیادی تعلیمات سے خالی ہیں۔

(۵)

جب ذکر وروحانیت کا یہ تصور واضح ہوگیا تو پھر تزکیہ وروحانیت کے حقیقی سلسلوں اور حقیقی اہل اللہ سے استفادہ میں بخل کا مظاہرہ کیوں؟ ملت کے بعض طبقات میں اہل اللہ سے استفادہ میں بخل ہی کا مظاہرہ نہیں ہے، بلکہ اہل اللہ کی تحقیر اور ان کی نفی کا شغل جاری ہے۔ امت کے تسلسل کی مخالفت کرنا اور حقیقی اہل اللہ کی مخالفت کے مزاج ونفسیات کا حامل ہونا، بہت خطرہ کی بات ہے، اس سے جہاں نفسی قوتوں کی یرغمالی کے خطرات لاحق ہوتے ہیں۔ وہاں اس سے بڑھکر سب سے بڑا خطرہ اللہ سے جنگ کرنے کا خطرہ ہے۔ جس کا ذکر ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جو اللہ کے ولی کی مخالفت کرتا ہے، وہ اللہ سے جنگ کا اعلان کرتا ہے۔

سبب یہ ہے کہ اللہ کا ولی توحید، رسالت وآخرت کے عقائد اور نماز، روزہ ، حج زکوٰۃ، جہاد اور کثرت کے ذکر کے نور کے ذریعہ طویل عرصہ تک نفسی قوتوں کے خلاف جنگ کرکے، اسے مکمل طور پر اللہ ورسول کے تابع کر چکا ہوتا ہے، اسے نفس کے خلاف اس جنگ میں جان کی بازی لگانی پڑتی ہے، صبر آزما مجاہدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس جدوجہد میں بڑی حد تک کامیابی کے بعد اس میں اللہ کی طرف سے صلاحیت پیدا کردی جاتی ہے کہ وہ دوسروں کا تزکیہ کرسکے اور انہیں نفسی قوتوں کی دلدل سے نکال کر، اسے انسانی جوہروں سے بہرہ وری کی راہ پر گامزن کرسکے۔ اس طرح کے اہل اللہ کی مخالفت کو وتیرہ بنانا، اور عقل، علم واستدلال کے نام پر یہ کام کرنا، اپنے آپ کو شدید خطرہ میں ڈالنا ہے اور اللہ محبوب کی دشمنی مول لینا ہے۔

سمجھنے اور سنبھلنے کی ضرورت ہے اور ایسی فکر پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، جس فکر میں اللہ کے دوستوں سے بے نیاز ہوکر قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے اور فروغ اسلام کے لئے کام

کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اللہ کے دوست (حقیقی اہل اللہ) قرآن وسنت کی تعلیمات سے سر موانحراف نہیں کرسکتے، غلطی ان کو پرکھنے کے معیار کی ہے، غلطی اپنے یرغمال شدہ عقل کی مدد سے ان کو ناپنے کی ہے۔ اگر نفس کے یرغمال شدہ عقل سے پردے ہٹا کر، حقیقی اہل اللہ کی سیرت وکردار کو دیکھا جائے اور ان کے فقر، زہد اور اللہ پر یقین کی حالت کا دل کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا جائے تو ان کے بہت بڑے سرمایہ ہونے کی حیثیت اجاگر ہوگی اور ان سے بھرپور روحانی استفادہ اور تزکیہ کے راستے از خود ہموار ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

اس بات کا فہم ضروری ہے کہ قرآن وسنت کا حقیقی فہم اور اس کی روح تک رسائی، تزکیہ کے مراحل سے گزرے بغیر مشکل ہے، اس لئے کہ تزکیہ کے فقدان کی وجہ سے انسانی شخصیت، نفسیات اور عقل میں بگاڑ اور کجی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور دماغ میں صحیح اسلامی خطوط کا تعین نہیں ہو پاتا۔

صحیح اسلامی فکر کے خطوط کا تعین تو علم کے ساتھ ساتھ تزکیہ کے مراحل سے گزرنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ نفسی قوتوں کے پیدا کردہ حجابات کی دوری کے بعد ہی قلب حکمت اور فراست مومنہ سے آشنا ہوتا ہے۔

اس حقیقت کے فہم میں جتنی تاخیر ہوگی، ملت کے حقیقی تعمیر کے کاموں میں اتنی مناسب سے غفلت وسستی کا مظاہرہ ہوگا۔

مادیت کی دلدل اور بچاؤ کی تدابیر

(بندہ مومن کے احساسات وتفکرات کے حوالے سے)

عالمی صورتحال کے تناظر میں

ہمارے شیخ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ خاص عباد الرحمٰن میں شامل تھے اور مثالی بندہ مؤمن تھے، ان کی شخصیت کو قریب سے دیکھنے کے بعد ایک مثالی بندہ مومن کا جو خاکہ ذہن میں تیار ہوتا ہے۔ ذیل میں وہ خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اور ملت کے بارے میں ان کے تفکرات واحساسات کا عکس بھی بیان کیا گیا ہے۔

اس طرح کے بندہ مؤمن معاشرے میں موجود ہیں۔ اس خاکہ میں ایک طرح سے ان سب کے حالات، احساسات، اور امت کے بارے میں ان کے تفکرات کی عکاسی کی گئی ہے۔ کاش کہ افراد معاشرہ میں ایسی شخصیتوں سے سیکھنے، سمجھنے، ان سے تربیت وتزکیہ حاصل کرنے اور ان جیسا بننے کی رَو پیدا ہو۔

دوسروں کے عیبوں کی بجائے
اپنے عیبوں پر گہری نظر کا ہونا

۱۔ بندہ مومن کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو دیکھنے کی بجائے اپنے عیبوں پر گہری نظر رکھتا ہے۔ خود احتسابی اور اندر میں ڈوبتے رہنے کی وجہ سے اس کے دل کے آئینہ میں نفس کے لگے ہوئے سارے زنگ اسے دکھائی دینے لگتے ہیں، وہ ان زنگوں کی صفائی کے کام کو سب سے اولین کام سمجھتا ہے۔ اس کام سے اسے زندگی بھر فرصت ہی نہیں ملتی۔

شہرت سے ڈرتے رہنا اور اسے آفت سمجھنا

۲۔ اس دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں میں مقبولیت اور شہرت سے

ڈرتا رہتا ہے، وہ شہرت کو اپنے لئے سب سے بڑی آفت سمجھتا ہے۔ اس کی تمنا ہوتی ہے کہ کاش لوگ اسے نہ پہنچانیں، وہ اپنے آپ کو پامال کرتا رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس کے سامنے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا یہ قول ہوتا ہے کہ اگر علم کی پخ نہ لگی ہوتی تو اپنے آپ کو ایسا مٹاتا کہ کوئی نہ پہنچاتا۔

اپنے اعمال صالحہ کی حالت کے قائم رہنے کے
بارے میں خوف زدہ ہونا

۳۔ بندہ مومن کی تیسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈرتا رہتا ہے کہ معلوم نہیں موت تک اس کی ایمانی حالت اور اس کے اعمال صالحہ کی زندگی قائم بھی رہے گی یا نہیں۔ یہ خوف اسے اپنی اصلاح سے آخر وقت تک غافل ہونے نہیں دیتا، یہ خوف اس میں عاجزی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اسے دعویٰ کی طرف جانے سے روکتا رہتا ہے۔

اپنے دعوتی کاموں کی داد وتحسین سے بے نیاز ہونا

۴۔ اس کی چوتھی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے دعوتی، علمی اور سماجی خدمت کے کاموں کی داد وتحسین نہیں چاہتا اور نہ اس کی خواہش وآرزو رکھتا ہے۔

اس کی چاہت صرف یہ ہوتی ہے کہ اس کے اس کام کو اللہ کے ہاں قبولیت کا شرف حاصل ہو۔

سب کی بھلائی چاہنے کی نفسیات کا پختہ ہونا

۵۔ اس کی ایک ادا یہ ہوتی ہے کہ وہ سب کی بھلائی چاہتا ہے اور سب سے حسن ظن رکھتا ہے، اس کا دل کسی سے بھی میلا نہیں ہوتا۔

ذکر سے طبعی مناسبت کا ہونا

۶۔ اس کی چھٹی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ذکر سے اس کی طبعی مناسبت پیدا ہوجاتی ہے۔ ذکر کے بغیر وہ رہ نہیں سکتا۔ معاشی تگ ودو کے لئے اس کے پاس زیادہ

وقت نہیں ہوتا، اس لئے کہ ذکر کا استغراق اور ذکر کا غلبہ اسے مادی سرگرمیوں کو محدود سے محدود تر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

معاش کے سلسلہ میں اپنی توقعات کو
اللہ سے وابستہ کرنا

۷۔ اس کی ساتویں خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ معاش کے سلسلہ میں وہ اپنی توقعات اللہ سے وابستہ کر چکا ہوتا ہے، ظاہری مادی اسباب کو کسی حد تک استعمال کرنے کے بعد وہ اپنے معاشی معاملات اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، اللہ اس کی ضروریات کے لئے کافی ثابت ہوتا ہے اور وہ اسے صبر، شکر اور قناعت کی دولت عظمیٰ فرماتا ہے۔

نفس کی طرف سے پریشان کردہ صورتحال کی
اللہ سے فریاد کرتے رہنا

۸۔ اس کی ایک ادا یہ ہوتی ہے کہ نفس کو پامال کرنے کے لئے اس کا مجاہدوں کا سلسلہ لگاتار جاری رہتا ہے، اسی دوران اسے ایک ہی شکایت ہوتی ہے کہ نفس اسے وسوسوں کی صورت میں پریشان کرتا رہتا ہے، اس سلسلہ میں وہ نفس کو انتباہات بھی دیتا دیتا ہے، اسے کوستا رہتا ہے اور ساتھ ساتھ نفس کی اس حالت کی شکایت اور فریاد وہ اللہ محبوب سے ہی کرتا رہتا ہے۔

حکمت کی بات کو اخذ کرنے سے
بخل کا نہ ہونا

۹۔ اس کی ایک ادا یہ ہوتی ہے کہ اسے حکمت کی بات جہاں سے بھی ملتی ہے، وہ وہاں سے لیتا ہے، چاہے بچے سے ملے یا علم سے کورے فرد سے۔ وہ حکمت کی بات اخذ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتا، اس معاملہ میں اس کے سامنے وہ حدیث رسول ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ حکمت مومن کی میراث ہے، اسے وہ جہاں سے بھی ملے، وہ لے لیتا ہے۔

اس کی نیت کا اس کے عمل سے بہتر ہونا

۱۰۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی نیت اس کے عمل سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ یعنی اس کے عمل کے پیچھے پاکیزہ جذبات اور محبوبِ حقیقی کی رضامندی کے والہانہ احساسات کی دنیا کارفرما ہوتی ہے، جو اس کے عمل کو بہت زیادہ قیمتی بنا دیتی ہے۔ اس کا دل، اخلاص، للّٰھیت اور بے نفسی سے سرشار ہوتا ہے۔

دنیاوی آسائشوں اور راحتوں سے بچتے رہنا

۱۱۔ بندہ مومن دنیاوی سہولتوں سے استفادہ ضرور کرتا ہے، لیکن وہ دنیاوی آسائشوں و راحتوں سے متمتع ہونے سے بچنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، اس لئے کہ راحتوں و آسائشوں کی زندگی اسے دنیا داروں کی سی زندگی کی راہ اختیار کرنے پر گامزن کرنے کا موجب بن سکتی ہے۔ قرآن نے دنیاوی زندگی کو لھب ولعب یعنی کھیل وتماشہ سے تشبیح دی ہے، بندہ مومن کھیل وتماشہ میں زندگی کے قیمتی لمحات ضایع کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

زندگی کی حلاوت کا ذکر واطاعت
سے وابستہ ہونا

۱۲۔ بندہ مومن کی زندگی کی حلاوت ذکر وفکر، عبادت اور اللہ ورسول کی اطاعت سے وابستہ ہے۔ زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کے رسول کی اطاعت ہی اس کا دستور العمل ہوتی ہے۔

صحت و بیماری وغیرہ کا
اس کے لئے نافع ہونا

۱۳۔ بندہ مومن حالت صحت میں ہو یا بیماری میں، معاشی طور پر فراخی کی حالت میں ہو یا تنگی کی حالت میں، وہ ہر صورت میں فائدہ ہی فائدہ میں رہتا ہے۔ صحت کی حالت میں وہ اللہ کی خوب عبادت کرتا ہے۔ اور ذکر وفکر کے مجاہدوں سے کام لیتا ہے، اللہ ورسول کی اطاعت میں چستی سے کام لیتا ہے، بیماری کی حالت میں وہ صبر سے کام

لیتا ہے اور اللہ کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کرتا ہے، عبادت وذکر وفکر میں کمی وکوتاہی پر دکھ وغم کا اظہار کرتا ہے۔ اس طرح صحت کے دوران اس کی طرف سے ہونے والے سارے مجاہدے بیماری کی صورت میں اس کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں۔ معاشی طور پر فراخی کی صورت میں وہ اللہ کی راہ میں اور اشاعت دین کے لئے خوب خرچ کرتا رہتا ہے۔ افلاس کی حالت میں وہ اللہ سے ہی مانگتا رہتا ہے، اس طرح ہر صورت میں اپنے مولا سے اس کے تعلق میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔

تزکیہ کے لئے خصوصی کوششوں کے بغیر دولت، علم اور افسری وغیرہ کا حجابات کا باعث ہونا

۱۴۔ بندہ کو زندگی کے ہر موڑ پر اس بات کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ تزکیہ کے لئے خصوصی کوششوں کے بغیر کثرت دولت، کثرت علم، حکمرانی، افسری اور غیر معمولی ذہانت فرد کے لئے شدید حجابات کا باعث بن جاتی ہے۔ اس طرح کے فرد وافراد کو تزکیہ کی طرف آنے کے سلسلہ میں نفس سینکڑوں قسم کے دلائل کے جواز فراہم کر دیتا ہے۔ یہ دلائل نفس کے تراشے ہوئے ہوتے ہیں، اس کے پس منظر میں کثرت دولت، کثرت علم، ذہانت، حکمرانی وافسری کی رعونت اور دعویٰ کارفرما ہوتی ہے، یہ روگ اس طرح کے افراد کے ساتھ زندگی بھر لاگو ہوتے ہیں اور وہ قیل وقال سے آگے بڑھکر، باطنی اصلاح اور تزکیہ کی طرف آنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ اہل اللہ کی تغلیط وتحقیر ان کا وظیفہ بن جاتی ہے۔ حقیقی اصلاح نفس کے حوالے سے ہونے والی ہر بات کے جواب کے لئے ان کے پاس ذہن میں پہلے سے دلائل اور اس کا جواز موجود ہوتا ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت لاحق نہیں۔

اس طرح کی صورتحال کو دیکھکر بندہ مومن کانپ جاتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں دعا گو ہوتا ہے کہ وہ اسے کثرت دولت، غیر ضروری اور غیر نافع علم، حکمرانی وافسری اور دل کے خزانوں سے بے بہرہ عقلیت کے فتنوں سے بچالے اور عاجزی کا مجسمہ بنالے اور اسے زندگی کے کسی بھی موڑ پر اپنے ذکر کی حلاوت سے محروم نہ کردے۔

کثرت دولت، غیر نافع علم، حکمرانی وافسری اور زیادہ ذہانت اگرچہ خود کبر وانانیت پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ ہیں، لیکن ان چیزوں کی وجہ سے فرد وافراد کو

دولتمندوں، افسروں، حکمرانوں، غیر نافع علم کے حامل تاریک ضمیر افراد کی دوستی کا شب وروز جو ماحول ملتا ہے، وہ ماحول ان کی باطنی بیماریوں اور باطنی حجابات میں غیر معمولی اضافہ کر دیتا ہے اور اس طرح کے افراد کی مسلسل صحبت سے ان کے لاشعور اور باطن میں مسلسل منفی شعائیں منتقل ہو کر، انہیں ضد، دعویٰ اور انانیت کا مریض بنا لیتی ہے، بندہ مومن اس صورتحال سے اللہ کی پناہ مانگتا رہتا ہے کہ اللہ انہیں ایسے افراد کی صحبت سے بچا کر، اس کے ایمان کی حفاظت فرمائے۔

زندگی کے ہر موڑ پر سنبھل کر چلتے رہنا

۱۵۔ بندہ مومن کی نظر میں زندگی کے ہر موڑ پر سنبھل کر چلنے، خود احتسابی سے کام لیتے رہنے اور فقیر منش اہل اللہ کی صحبت میں رہنے کی ضرورت ہے، تاکہ فرد میں روشن ضمیری پیدا ہو سکے، جس سے ہر وقت نفس کی خرابیاں اس پر واضح ہوتی رہیں اور ان خرابیاں سے بچاؤ کی صورتیں پیدا ہوتی رہیں، احتساب نفس کے سلسلہ میں بندہ مومن نہایت حساس ہوتا ہے۔

دین کے حقیقی پیشواؤں پر اعتراضات سے مفاسد کا شکار ہونا

۱۶۔ اس کی نظر میں دین کے حقیقی پیشواؤں کا احترام ناگزیر ہے، دین کے پیشواؤں پر اعتراض کرنا یا اعتراض کی نفسیات کا پیدا ہونا اور ان کی ناکردہ خامیوں کو اچھالنا، یہ ایسی بیماری ہے جو فرد وافراد کو بہت سارے مفاسد میں مبتلا کرنے کا موجب بنتی ہے۔ ایسے افراد سے دین کا حقیقی فہم بلکہ دین کی روح سلب کر لی جاتی ہے۔ انہیں قلبی سکون سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ان کا اسلام وایمان عقل کی سرحدوں سے آگے بڑھکر، دل کی گہرائیوں تک پہنچنے نہیں پاتا۔ اس لئے کہ دین کے پیشوا، دین کے محافظ ہوتے ہیں، دین کی حفاظت انہی کے دم قدم سے ہوتی ہے، اور وہ دین کے تسلسل کو قائم رکھنے کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں۔ ان پر اعتراض کا مطلب فرد، علم کے نام پر تکبر کے مرض میں مبتلا ہے اور متکبر فرد کو مفاسد ہی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے، اس لئے بندہ مومن، دین کے حقیقی پیشواؤں کے بارے میں بہت زیادہ حساس ہوتا ہے، وہ ان سے محبت کرتا ہے،

ان سے احترام کا معاملہ کرتا ہے، ان کی کوئی بات اگر اسے سمجھ میں نہیں آتی تو اسے وہ اپنے عقل وفہم کی کمی تصور کرتا ہے، جب بعد میں وہ اس پر غور وفکر کرتا ہے تو اس بات کے فہم کے سلسلہ میں اس کا سینہ کھول دیا جاتا ہے۔

کفر اور کفر کی عالمی قوتوں کے خلاف سخت ہونا

۱۷۔ بندہ مومن، کفر اور کفر کی عالمی طاقتوں اور ان کے مقامی نمائندوں کے خلاف سخت ہوتا ہے، ان کی طرف سے معاشرہ میں پھیلائی گئی بُرائیوں کے خلاف وہ شدید متفکر ہوتا ہے، لیکن ناسازگار حالات، افراد کار کی کمی، وسائل کے فقدان، معاشرہ کی بے حسی کی وجہ سے وہ اس سلسلہ میں جب مؤثر کردار ادا کرنے سے قاصر ہوتا ہے تو وہ شدید غم زدہ ہوجاتا ہے، اس لئے کہ کفر کی یہ عالمی طاقتیں اپنی ٹیکنالوجی، میڈیا اور اپنی سازشوں کی وجہ سے کروڑہا مسلمانوں کو مادیت کی راہ پر گامزن کرنے اور انہیں اپنی مادہ پرست تہذیب پر فریفتہ کرنے کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ یہ صورتحال ایسی ہے جو بندہ مومن کو بے چین کر دیتی ہے۔ تاہم وہ اس سلسلہ میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق دعوتی محاذ پر آخری حد تک کام کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ وہ اپنے کام کو ہر اعتبار سے ناکافی سمجھتا ہے۔ مادیت کے بڑھتے ہوئے طوفان کو دیکھکر، وہ اللہ کی بارگاہ میں ہی ملتجی ہوتا ہے کہ وہ اسے، اس کی اولاد، اس کے عزیز واقارب اور جمیع مسلمانوں کو اس سیلاب بلا سے بچالے اور ان کے ایمان کی حفاظت فرمائے۔

اعمال کا اللہ کی بارگاہ تک پہنچنے کی راہ میں شدید حجابات کا ہونا

۱۸۔ بندہ مومن اپنے اعمال کو نفسی آمیزشوں سے پاک کرکے، اللہ تک پہنچانے اور اس کی بارگاہ میں اعمال کی قبولیت کا شرف حاصل کرنے کے سلسلہ میں سخت متفکر ہوتا ہے، اس لئے کہ اس سلسلہ میں نفسی حجابات اس شدت سے سامنے آتے رہتے ہیں کہ ان حجابات اور رکاوٹوں کو قابل ذکر حد تک دور کرکے، اعمال کو خالص بنانے کے لئے اسے نفس سے شدید معرکہ آرائی کرنی پڑتی ہے، اس سلسلہ میں بندہ کی مشکلات کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے، جو امام ابن قیم کی کتاب ''مدارج السالکین'' سے

ماخوذ ہے۔

''نفس کی دنیا میں ہزاروں ڈاکو گھات لگائے بیٹھے ہیں، جو ''عمل'' پر شبخون مارتے رہتے ہیں، اور اسے اللہ تک پہنچنے نہیں دیتے۔ سارے راستے طے کرکے، اللہ تک صرف وہی عمل پہنچتا ہے، جس میں سراپا اخلاص موجود ہو۔

نفس کی دنیا میں موجود ہزاروں راہزن ''عمل'' پر یہ منزل آنے ہی نہیں دیتے کہ وہ اللہ تک پہنچ سکے۔ راستے میں کہیں کبر ہے، جو گھات لگائے بیٹھا ہے تو کہیں خود پسندی ہے۔ کہیں عمل برائے عمل کی رکاوٹ ہے تو کہیں اللہ کے خوف کی کمی ہے۔ کہیں امید کی کمی ہے تو کہیں محبت کا فقدان ہے، کہیں اللہ سے التفات موجود نہیں تو کہیں طلب آخرت مفقود ہے، کہیں اللہ کے لیے دوستی کا جذبہ نہیں تو کہیں اللہ کے لیے دشمنی ناپید ہے، کہیں حق وباطل کے درمیاں فرق موجود نہیں تو کہیں اللہ کے دوستوں اور اللہ کے دشمنوں کے درمیاں تمیز وفرق نہیں، کہیں شک اور بے یقینی ہے، تو کہیں ناشکری، کہیں بے خوفی ہے، تو کہیں ناامیدی۔ کہیں اِعراض ہے تو کہیں بے رغبتی وبے رُخی۔ اس راہ میں ہزاروں وسوسے، ہزاروں خطرات اور ہزاروں پوشیدہ ڈاکو موجود ہیں، ان سارے راہزنوں سے بچ بچا کر ''عمل'' کا اللہ تک پہنچنا ہوتا ہے۔ بہت سے 'راہ گیر' ایسے ہیں، جو راستے میں ہی کہیں لٹ پٹ جاتے ہیں۔ مشکل سے کوئی ''عمل'' ہوتا ہے، جو رہزنوں کے اس جنگل سے گذر کر اللہ تک پہنچتا ہے!

یاد رکھنا چاہیئے کہ قلب اور عمل کے مابین بڑا فاصلہ ہے، جسے فرد کو طے کرنا ہوتا ہے۔ اِس کے بغیر عمل ''عمل'' ہی نہیں ہوتا۔

جب عمل سرزد ہوتو اس کے بعد قلب اور پروردگار کے مابین ایک فاصلہ ہے، جسے ہر حال میں طے کرنا ہوتا ہے۔ اِس کے بغیر عمل اللہ کے ہاں ''باریاب'' ہی نہیں ہوتا۔ (مدارج السالکین۔ از امام ابن القیمؒ)

قرآن وسنت کی باطن کی تعمیر پر مشتمل تعلیمات کو فیصلہ کن اہمیت دینا

۱۹۔ بندہ مومن کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ قرآن واحادیث کی باطن کی تعمیر، تزکیہ نفس اور تعمیر سیرت کے حوالے سے تعلیمات (جس سے اسلام کی روح وابستہ ہے) اسے فیصلہ کن اہمیت دیتا ہے، اس سے اس کی شخصیت میں حمیت دین کے ساتھ

ساتھ اللہ ورسول کی اطاعت میں والہانہ پن آجاتا ہے۔ وہ اپنی ذات اور معاشرہ کے لئے باعث خیروبرکت ثابت ہوتا ہے، وہ ملت اسلامیہ کے لئے درخشندہ ستارے کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ اس کی تمنا ہوتی ہے کہ اس دور میں جب کہ عمومی طور پر علم ودانش کے حلقوں میں قرآن وسنت مبارکہ اور سلف صالحین کی تعلیمات کا باطنی پہلو اوجھل ہوگیا ہے اور قرآن وسنت کی روح مستور ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے اخلاق کی آبیاری کا عمل رک گیا ہے اور تزکیہ اور انسان سازی کے عمل میں دشواری پیدا ہوگئی ہے، آپس میں محبت ورواداری کی فضا مسدود ہوگئی ہے، یہ صورتحال ختم ہو اور دلوں کے حجابات دور ہوں، تا کہ بندہ مومن، راہ محبت کے قابل ذکر مراحل طے کرنے کے لئے صبر اور مسلسل صبر سے کام لیتا رہے اور مستقل مزاجی سے مجاہدے کرتا رہے، نفس کی گھاٹیاں طے کرنے کے لئے اسے اگر عمر کا ایک حصہ بھی صرف کرنا پڑے تو وہ اس کے لئے تیار رہے۔ محبوب کے لئے صبر آزما مجاہدوں کو وہ اپنے لئے سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہے۔ اگرچہ اسے نفس کی جلائی ہوئی آگ میں سے گذرنا پڑتا ہے، لیکن محبوب سے وصال کے لئے وہ روزانہ اس آتش سے گذرنے کی قربانی دینے کا حوصلہ رکھتا ہے۔

بندہ مومن کا اِس دنیا سے زیادہ اُس دنیا کا ہونا

٢٠۔ بندہ مومن پر حشر وقیامت کا منظر اس قدر نقش ہوتا ہے کہ وہ اس منظر سے نکل ہی نہیں پاتا، اس اعتبار سے وہ اِس دنیا سے زیادہ اُس دنیا کا انسان نظر آتا ہے اور وہ ہمہ وقت اسی کی تیاری کی فکر اور احساسات میں رہتا ہے۔

نفس، شیطان اور مادیت پرستی کی قوتوں سے مقابلہ کے لئے اللہ کی پناہ میں آجانا

٢١۔ بندہ مومن کی ایک ادا یہ ہوتی ہے کہ وہ نفس، شیطان اور مادیت پرستی کی قوتوں سے مقابلہ کے سلسلہ میں اللہ کی پناہ میں آجاتا ہے، اللہ کی یہ پناہ اسے اللہ کے ذکر کے نور کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ نفسی اور مادی قوتوں کے بڑے سے بڑے حملہ سے مقابلہ کے موقعہ پر وہ ذکر کے ذریعہ اس مستحکم قلعہ میں داخل ہوجاتا ہے، جہاں اسے

طمانیت اور امان مل جاتی ہے، اور وہ سارے دشمنوں کے خوف وخطر سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ ذکر کے حوالہ سے سارے دشمنوں سے بچاؤ کا اس کا یہ تجربہ ومشاہدہ ایسا ہے، جو اس کا روزمرہ کا معمول ہے۔ جب بھی نفسی قوتیں حملہ آور ہوئیں۔ یا شیطان نے دل پر ڈیرے جمادیئے، اس نے ذکر کا سہارا لیا، ذکر کا سہارا لیتے ہی یہ قوتیں اس طرح فرار ہوجاتی ہیں کہ بندہ مسرت سے سرشار ہوجاتا ہے۔ نفس اور مادی قوتوں کے خلاف ذکر اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے، جو زندگی کے ہر موڑ پر اس کے دین وایمان کی سلامتی کے تحفظ کا کردار ادا کرتا ہے۔

حالات کے تغیر وتبدل سے خوف زدہ نہ ہونا

٢٢۔ بندہ مومن کی ایک ادا یہ ہوتی ہے کہ وہ حالات کے تغیر وتبدل سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔ کیفیات کا ادل بدل، سازگار اور ناسازگار حالات کا ہونا، طبیعت میں رنجیدگی اور آزردگی کا ہونا، اس طرح کے حالات سے مفر ممکن نہیں۔ بندہ مومن مزاج کے خلاف اس طرح کے سارے مواقع پر ذکر کا سہارا لیتا ہے اور اللہ کی طرف متوجہ ہوکر اس سے اپنا فضل خاص طلب کرتا ہے۔ بندہ کو اکثر اس بات کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ اللہ بہت قدر دان ہے، بلکہ وہ سب سے زیادہ قدر دان ہے، جو اس کی راہ میں مسلسل مجاہدوں سے کام لیتا ہے، اسے وہ قدم قدم پر سہارا دیتا ہے اور اس کے لئے اپنے قرب کی راہیں ہموار کرتا رہتا ہے۔ اللہ کی مدد کا یہ منظر مومن اس کے سامنے ہوتا ہے۔ سردی، گرمی، بیماری، طوفانوں اور بارشوں کا ہونا یہ ساری چیزیں زندگی کے مظاہر حسن ہیں، جن سے زندگی کا سارا حسن اور اس کی رونق قائم ہے۔ بندہ حالات کے تغیر وتبدل کے سلسلہ میں اللہ محبوب کی اس سنت کو سمجھتا ہے، اس لئے وہ حالات کے تغیر وتبدل کا زیادہ اثر نہیں لیتا۔

امت میں جوڑ پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہونا

٢٣۔ بندہ کی ایک ادا یہ ہوتی ہے کہ وہ امت میں جوڑ پیدا کرنے کے لئے فکرمند ہوتا ہے۔ ایسے مسائل اور ایسی باتیں جو توڑ کا ذریعہ ہوسکتی ہیں، وہ ان سے

صرف نظر کرتا ہے، امت میں توڑ پیدا کرنے میں اصل کردار نفس کا ہوتا ہے۔ نفس اپنی بڑائی اور اپنی افضلیت چاہتا ہے، اپنے مقابلہ میں دوسروں کی تحقیر سے اسے حظ حاصل ہوتا ہے۔ بندہ مومن کو نفس کے اس مکر وفریب کا پوری طرح ادراک ہوتا ہے، اس لئے وہ طبیعت کے خلاف دوسروں کی منافی باتوں کو آخری حد تک برداشت کرتا ہے اور دینی اور فقہی معاملات میں لوگوں کی کمزور حالت کو دیکھتے ہوئے ان کے ساتھ سہولت والا پہلو اختیار کرتا ہے۔

عاجزی، انکساری اور دوسروں کی تکریم کے احساسات میں اضافہ کا ہونا

۲۴۔ اس کی ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ نیکی کی راہ پر جتنا آگے بڑھتا ہے، اس کی عاجزی، انکساری، خاکساری اور دوسروں کی عزت وتکریم کے احساسات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یعنی اس کی عبادت اور اس کا ذکر وفکر اسے اپنی افضلیت اور دوسروں کی تحقیر کی طرف جانے نہیں دیتا، بلکہ یہ چیزیں اس کے لئے اللہ کے بندوں میں اپنے سب سے زیادہ سیاہ کار بندہ ہونے کے احساس میں اضافہ کا ذریعہ بنتی ہیں۔

دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اپنے عابد وزاہد ہونے کا اس کا احساس فنا ہونے لگتا ہے اور اس کی انا پر ضرب کاری لگ جاتی ہے اور اس کی شخصیت سے ایسا انسان وجود میں آتا ہے، جو اللہ کے بندوں کے لئے شفیق ثابت ہوتا ہے۔

اپنی ہر مشکل کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے رہنا

۲۵۔ اس کی ایک ادا یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی ہر مشکل اللہ کی دربار میں پیش کرتا ہے، اور وہ اللہ ہی سے مانگتا رہتا ہے، بلکہ اللہ سے مانگتے رہنے کی اس کی نفسیات پختہ ہوجاتی ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اس دربار عالی سے یا تو اسے وہ اصل چیز مل جاتی ہے، یا پھر اس کے دل سے سارے مسائل اور مشکلات کا بوجھ ہلکا ہوکر، اسے سکون قلبی کی دولت عظمیٰ حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ شروع میں ذکر کا انہماک اسے اللہ سے مانگنے نہیں دیتا، اس لئے کہ عرصہ تک ذکر میں مصروفیت کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ اس کا

مانگنے والا وقت بھی ذکر ہی میں صرف ہو، اس طرح کے فرد کے بارے میں حدیث کے مطابق اللہ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسے مانگنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔

بُرے لوگوں سے نفرت کی بجائے انہیں قابل رحم سمجھنا

۲۶۔ بندہ مومن بُرائی سے نفرت کرتا ہے، جب کہ وہ بُرے لوگوں کو نہ تو وہ حقیر سمجھتا ہے اور نہ ہی ان سے نفرت کرتا ہے، بلکہ ایسے لوگوں کو وہ قابل رحم سمجھکر، ان سے شفقت اور انسیت کا معاملہ کرتا ہے، مشکلات کے موقعہ پر ان کی مدد کرتا ہے، اپنے اخلاق وکردار سے انہیں متاثر کرتا ہے، اس طرح اس کا یہ مشفقانہ رویہ وکردار انہیں جھنجھوڑ کر بُرائی سے نکلنے میں مددومعاون ثابت ہوتا ہے۔

بندہ مومن کو لاحق بے قراری اور اس کے پس پردہ حکمتوں ومصلحتوں کا ہونا

۲۷۔ بندہ مومن جو راہ محبت میں ذوق وشوق سے چلتا ہے اور وہ محبوب حقیقی سے وصال کے لئے غیر معمولی مجاہدوں سے کام لیتا ہے، اسے وقتاً فوقتاً بے قراری اور اضطراب کے حالات سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔

بعض اوقات دل کو کافی مقدار میں ذکر کی خوراک دینے کے باوجود، اس کی بے قراری تھمنے کا نام نہیں لیتی، طرح طرح کے خیالات اور وسوسے اس کے دل کو بے قابو کردیتے ہیں، اس کی ایک اہم حکمت جو سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ محبّ کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ میرے فضل خاص کے بغیر محض ذکر سے کام نہیں بنتا، نیز دل کا بے قراری سے بچنا اور اس کا قابو میں آنا میرے اختیار میں ہے، اگرچہ ذکر اس کا سب سے اہم ذریعہ ہے، لیکن بعض اوقات محبّ کی اپنی مصلحت اس میں ہوتی ہے کہ اس کا دل تڑپتا رہے، تاکہ اس کی عاجزی، فنائیت اور محبوب کے لئے فداکارانہ ادا میں مزید اضافہ ہو۔

جس طرح پودوں کو ہر وقت پانی دیتے رہنا نقصاندہ ہے، اسی طرح ہر وقت کیفیات کا بہتر ہونا اور ہر وقت دورانِ ذکر خوشی وسکینت کا ہونا، محبّ کے لئے مضر ہو سکتا ہے، اس سے اس میں تکبر اور اپنے ہم عصر افراد کے بارے میں تحقیری جذبات

واحساسات پیدا ہو سکتے ہیں، محبّ کو ان خرابیوں سے بچانے کے لئے محبوب کی طرف سے وقت فوقتاً اس کے دل کو بے قرار اور بے قابو کر دیا جاتا ہے، دل کی بے قراری کی یہ حالت اگرچہ محبّ کے لئے شدید اذیت اور غم زدگی کا باعث ہوتی ہے، لیکن محبوب کی اپنے محبوں کے ساتھ ہمیشہ یہی ادا رہی ہے۔ نفسی قوتیں محبوب کی اس ادا کے بغیر مکمل طور پر تابع نہیں ہوسکتی۔ منتہی صوفی بھی محبوب کی اس ادا کا نشانہ بنتا رہتا ہے، اس سے مقصود اس کی مزید اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنے قرب کے درجات میں مزید اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے محبوب کی اس ادا سے متوسط و منتہی صوفی کو زیادہ تشویش کا شکار ہرگز نہ ہونا چاہیے۔

انشاء اللہ محبّ محسوس کرے گا کہ دل کی کچھ لمحات یا کچھ دیر کے لئے بے قراری و بے قابو پن کے فورا بعد اسے سکینت سے سرشار کر دیا جائے گا، اس طرح وہ عتاب کے فورا بعد انعام سے بہرہ ور کیا جاتا ہے۔ محبوب کی اس ادا کو سمجھنے سے انشاء اللہ اضطراب و بے قراری میں کمی واقع ہوگی۔

دل کی بے قراری و اضطراب میں بظاہر ناگوار واقعات و حالات اور مزاج کے خلاف ہونے والی چیزوں کو بھی عمل دخل ہوتا ہے، لیکن یہ حالات و واقعات دل کی دنیا کو درہم برہم کرنے اور اسے رنجیدگی سے سرشار کرنے کا اصل سبب نہیں ہوتے۔

اصل سبب محبوب کی یہ حکمت ہوتی ہے کہ بندہ کی کچھ وقت کے لئے کیفیات سلب کردی جائیں، تاکہ اس پر اپنی اصلیت واضح ہو اور اس کا نفس تہذیب کے دائرہ میں رہے اور وہ اپنی کاوشوں کی بجائے محبوب سے اس کے فضل خاص کا طلب گار رہے۔

نفس چونکہ فرد کو اپنی الوھیت کی ترغیب دینے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، اس لئے نفس کی الوھیت پر ضرب کاری لگانے کی سب سے مؤثر صورت یہی ہوتی ہے۔

محبّ کی بے تابی و بے قراری ہی وہ اہم سرمایہ ہوتا ہے، جو محبوب کے لئے اس کے سفر کو کارآمد بنانے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہوتا ہے۔ بے تابی کے وقت محبّ کے دل کا آنسوؤں سے سرشار ہونا اور پیچ و تاب کھاتے رہنا اور زندگی بھر اس عمل سے گزرتے رہنا، محبّ کا یہ عمل ایسا ہے، جو محبوب کے لئے اس کے سارے مجاہدوں پر بھاری ہے۔

اجتماعی علوم سے اللہ کے نام
کو نکالنے کی انسانیت کو ملنے والی سزا

۲۸۔ بندہ مومن کی نظر میں انسانوں کو اس وقت جو سزا مل رہی ہے، انسانی معاشرہ درندوں کی طرح ایک دوسرے سے لڑنے کے منظر میں تبدیل ہوگیا ہے، وہ سزا صرف اس بات کا نتیجہ ہے کہ انسانی زندگی کا اللہ سے، اس کے ذکر سے اور اس کی محبت سے تعلق منقطع کر دیا گیا ہے اور اشیائے کائنات میں موجود قدرتی قوانین کی حقیقت اور ان اشیاء میں موجود ذکر کی آہنگ سننے سے انکار کی روش اختیار کر دی گئی ہے، اس طرح سارے علوم وفنون اور ساری تلاش وتحقیق اور ریاست کا سارا اجتماعی نظام اللہ کے نام، عقیدہ توحید اور اس کے تقاضوں سے انکار پر متشکل ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے انسانوں کے داخل میں موجود درندوں سے بھی خوفناک نفسی قوتیں مشتعل ہو کر، ایک دوسرے کو ذلیل اور تباہ کرنے اور سب پر اپنی برتری حاصل کرنے کے لئے میدان میں آئی ہیں۔

انسانی زندگی اور انسانی علوم سے اللہ کے نام کو نکالنے کے بعد تباہی کے اس ہولناک حشر سے بچانے کی ساری راہیں مسدود ہوگئی ہیں۔ ان حالات میں دنیا بھر کے دانشوروں کی عقلیں مل کر بھی انسانیت کو اس بحران سے نکال کر، اسے انسانیت کے شایان شان امن وسکوں فراہم کرسکیں، ممکن نہیں۔

یہ جرم اتنا سنگین ہے کہ پوری انسانیت تلملا کر اٹھی ہے اور وہ بے چینی کے انگاروں پر لیٹنے لگی ہے، اس جرم کی یہ کم سے کم سزا ہے، جو قدرت کی طرف سے اسے مل رہی ہے۔ امت مسلمہ کو ملنے والی یہ سزا اس لئے زیادہ ہے کہ وہ توحید پر نظری طور پر اعتقاد کے باوجود عملی طور پر وہ اللہ کے ذکر، اس کی محبت اور اپنے تعلیمی واجتماعی نظام میں ذکر کی روح اور اللہ کی محبت کے تقاضوں کو شامل کرنے سے اعراض کی روش پر گامزن ہے اور اس معاملہ میں وہ عملی طور پر عالمی کفر کی مادی تہذیب کی نقالی کی راہ اختیار کئے ہوئی ہے اور وہ اپنی نسلوں کی نسلوں کو مادی تہذیب کی ملحدانہ نظریاتی بنیادوں کی آگ میں جھونکنے کا ذریعہ بن گئی ہے، اس لئے افراد ملت کو اس دنیا میں جتنی بھی سزا ملے، کم ہے۔

ریاست کو اسلامی نقطہ نگاہ سے تبدیلی کا کام
اور اس کی راہ میں رکاوٹیں اور اس کے لئے بہتر حکمت عملی

۲۹۔ بندہ مومن کی نظر میں اسلامی نقطہ نگاہ سے ریاست کے نظام میں تبدیلی اور حکومتی سطح پر غلبہ دین کا کام بھی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ ریاستی نظام کو لادین سیاستدانوں کے حوالے کرنا، ملت کے لئے تباہی کا پیش خیمہ ہے اور اسلام کے نظام زندگی کے تصور کے بھی منافی ہے، لیکن اس سلسلہ میں داخلی اور خارجی طور پر جو رکاوٹیں درپیش ہیں، انہیں پیش نظر رکھتے ہوئے حکمت سے غلبہ دین کے کام میں پیش قدمی کا ہونا ناگزیر ہے۔

داخلی طور پر سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ ہمارے سارے مؤثر طبقات جس میں سول اور فوجی انتظامیہ، تاجر، سرمایہ دار، میڈیا سے وابستہ افراد وغیرہ ان کی بڑی اکثریت ذہنی طور پر مادہ پرست مغربی تہذیب اور مغربی افکار کی دلدادہ ہے۔ وہ اسلام کے سیاسی واجتماعی غلبہ کو اپنے مفادات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور کرتی ہے۔ اس دور میں حکومت محض صدر، وزیر اعظم، کچھ وزراء اور مشیروں کا نام نہیں ہے، بلکہ نظام حکومت چلانے میں ہزاروں سے زیادہ سول اور فوجی انتظامیہ کے افراد شامل ہوتے ہیں، بلکہ وہ حکومتی نظام چلانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ملک میں پالیسیوں کے نفاذ کے ذمہ دار وہی ہوتے ہیں۔ جب انتظامیہ کا سارا ڈھانچہ اسلام سے ہم آہنگ نہ ہو تو نظام اسلام کے نام پر وہی کچھ ہو سکتا ہے، جو سابق صدر ضیاء الحق کے دور حکومت میں ہوا۔

اس معاملہ میں دوسری سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ اسلامی نظام کو طاغوت کی عالمی قوت اپنے لئے چیلنج محسوس کرتی ہے، وہ کسی بھی مسلمان ملک میں غلبہ اسلام کی تحریک کو برداشت نہیں کر سکتی، اسے ناکام بنانے کے لئے وہ اپنے سارے وسائل جھونک سکتی ہے اور اپنی پوری قوت خرچ کر سکتی ہے، جس طرح اس نے الجزائر، مصر اور افغانستان وغیرہ میں کیا، اس لئے غلبہ دین کی تحریک کو بڑی حکمت عملی کے ساتھ اس مقصد کے لئے معاشرہ کو ہم آہنگ بنانا پڑے گا اور پرائیویٹ نظام تعلیم کے ذریعہ بڑے پیمانہ پر ایسے افراد کی تیاری کا کام کرنا پڑے گا، جو ذہنی، علمی و عملی طور پر اسلام کے

لئے اپنی توانائیاں صرف کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہوں۔ اس مقصد کے لئے ترکی میں اردگان کی اختیار کردہ حکمت عملی ہمارے لئے بہت زیادہ نافع ہو سکتی ہے۔ ترکی میں اتاترک کی اسلام دشمن پالیسیوں کے خلاف علماء وصوفیاء نے طویل عرصہ تک خاموشی سے کام کیا، یہاں تک کہ نجم الدین اربکان اور اردگان کی قیادت سامنے آئی، بالخصوص اردگان نے پچیس تیس سال سے جو حکمت عملی تشکیل دی، وہ یہ تھی کہ عالمی قوتوں کو نہ تو چیلنج دیا جائے اور نہ ہی ان کو یہ تاثر دیا جائے کہ وہ غلبہ اسلام کے علمبردار ہیں، بلکہ انہوں نے عالمی سطح پر اپنے آپ کو سیکولر کی حیثیت سے پیش کیا اور اپنے سیکولر چہرے کو نمایاں کیا، چنانچہ ان کے بارے میں عالمی طاغوت کی صفوں میں بھونچال پیدا نہ ہوا۔ جب ان کی پارٹی سماجی سطح پر فلاح وبہبود کے کاموں میں تیزی سے آگے بڑھنے لگی اور ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا تو عالمی طاغوت میں اضطراب پیدا ہوا، چنانچہ چند سال پہلے فوجی سازش کے ذریعہ ان کی حکومت کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی، یہ سازش قبل از وقت پکڑی گئی اور عدالت کے ذریعہ صف اول کی فوجی قیادت کو سزا ہوئی، اس کے بعد فتح اللہ گولن کو سامنے کرکے، ان کے ذریعہ فوجی بغاوت کی سازش کی گئی اور عوامی مزاحمت کے ذریعہ اس سازش کو بھی ناکام بنایا گیا۔

اردگان کی اب تک ساری کاوشوں کے باوجود فوجی وسول انتظامی ڈھانچہ میں اب بھی ۳۵ فیصد افراد اتاترک کی فکر کے حامل ہیں اور وہ عالمی استعمار کے لئے ہر وقت استعمال ہونے کے لئے تیار ہیں، ان حالات میں اردگان کی حکومت نے ایک تو ملک میں مذہبی قوتوں کی سرپرستی کا عمل شروع کر دیا ہے۔ دوسری طرف وہ بڑی حکمت سے سول اور فوجی ڈھانچہ میں تطہیر کا عمل جاری رکھے ہوئی ہے۔ تیسری طرف وہ ملک کو ہر اعتبار سے ترقی کی شاہراہ پر گامزن کر رہے ہیں۔ نئی نئی یونیورسٹیاں قائم ہو رہی ہیں۔ شاہراہیں بن رہی ہیں، تلاش وتحقیق کے نئے نئے ادارے میں وجود میں آ رہے ہیں، تربیت کے ادارے مستحکم ہو رہے ہیں، ملک میں لوگوں کو ہر سطح پر سہولتیں فراہم کرنے اور فلاحی سسٹم قائم کرنے کے لئے کوششیں ہو رہی ہیں۔ علاج کے لئے ایسی سستی اسپتالیں قائم ہوگئی ہیں کہ یورپ کے افراد بھی علاج لئے ان اسپتالوں میں داخل ہو رہے ہیں۔

اردگان نے مصر میں صدر مرسی کو بھی پہلے ہی دن یہ تجویز دی تھی کہ وہ جلد بازی سے کام نہ لیں، اسلامی نظام کے غلبہ کی بات کرکے، عالمی قوتوں کو چیلنج نہ دیں، اس

سلسلہ میں صبر، دور اندیشی، حکمت، اور طویل المیعاد منصوبہ بندی اختیار کریں، ورنہ تمہاری پوری جماعتی قوت کو کچل دیا جائے گا، لیکن صدر مرسی، اردگان کی پیش کردہ حکمت عملی کی نوعیت کو نہ سمجھ سکے۔

پاکستان میں بھی اگر دینی سیاسی جماعتیں اسلامی اعتبار سے معاشرہ کو مستحکم کرنے اور سماجی خدمت کے ذریعہ معاشرہ میں اپنی قوت میں اضافہ کرنے اور بہتر جدید تعلیمی اداروں کی تشکیل کے ذریعہ بڑے پیمانہ پر باصلاحیت افراد کی تیاری کے کام کو اہمیت دیں، اور عالمی طاغوت کو چیلنج دیئے بغیر خاموشی اور صبر واستقامت سے کام کرتے رہیں تو یہاں بھی رفتہ رفتہ غلبہ اسلام کے لئے فضا ہموار ہوسکتی ہے۔

دینی سیاسی جماعتوں اور روحانی قیادت میں مالداری کے اطوار کے عام ہونے پر تشویش کا ہونا

۳۰۔ بندہ کے لئے تشویش کی ایک بات دینی سیاسی جماعتوں اور مشہور روحانی سلسلوں کے حوالے سے ہے کہ دینی سیاسی جماعتوں کی قیادت اور تصوف وروحانیت کی حامل مشہور قیادت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں بھی مالداری کے جدید اطوار عام ہو چکے ہیں۔

بڑی بڑی گاڑیوں کا ہونا، زیادہ سے زیادہ املاک کا ہونا، کارکنوں اور مریدوں سے فاصلہ پر رہنا، پہروں میں رہنا، مالداروں سے دوستانہ مراسم کا ہونا، شہرت کے ذوق وشوق کا ہونا، یہ ایسی چیزیں ہیں، جو دینی سیاسی قیادت اور ہماری مشہور روحانی قیادت کے لوازمات میں شامل ہوگئی ہیں۔

جس ملت کی قیادت کو قرآن وسنت نے دنیا سے بے نیازی اور زہد وفقر اور سادگی وقناعت کے ساتھ زندگی کے عارضی لمحات گزار کر، عام لوگوں کے لئے مثالی نمونے قائم کرنے کی تعلیم دی تھی، جس تعلیم پر ہمارے آقا وسردار حضور نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور ہر دور کے بزرگان دین عمل پیرا رہے، جب دینی وروحانی قیادت، قرآن وسنت اور بزرگان دین وسلف صالحین کی اس راہ سے بے نیاز ہوجائے تو ظاہر ہے ملت کو زوال سے بچانے کی ساری راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔

یہ ایسی صورتحال ہے کہ سلف کے طریقہ پر گامزن بندہ مومن کی نینداڑا دینے اور

اسے ملت کے بارے میں غیر معمولی طور پر متفکر کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

معاشرہ کے کھاتے پیتے افراد کی بعض اہم خرابیوں کی نشاندہی

۳۱۔ ایک تشویش کی بات یہ ہے کہ معاشرہ میں ہر وہ فرد، جس کے پاس دولت آنے لگتی ہے، اس کا عام طور پر اپنے غریب عزیز واقارب سے یا تو تعلق منقطع ہوجاتا ہے، یا یہ تعلق سرد مہری کا شکار ہوجاتا ہے۔ اس طرز عمل سے اسے اپنے عزیزوں کو یہ جتانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ اس سے مالی توقعات وابستہ نہ کریں اور مالی تعاون کی امید نہ رکھیں، یہ بڑی سنگ دلی کی بات ہے۔

دوسری بات جو معاشرہ کے کھاتے پیتے لوگوں میں پیدا ہوجاتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ شادی بیاہ کی تقریبات میں بے دریغ دولت خرچ کرتے ہیں، ایک ہی تقریب میں لاکھوں روپے خرچ کر ڈالتے ہیں، شادی ہال موسیقی کی آواز سے گونج اٹھتا ہے، یہ تقریب ایک طرح سے ان کی مالداری کی نمائش اور لوگوں سے دادطلبی اور ریا کے مظاہرہ کا اہم ذریعہ بن جاتی ہے۔

کھاتے پیتے مذہبی افراد ہوں یا برائے نام مسلمان، عام طور پر سب کے ہاں شادی بیاہ کی تقریبات میں فضول خرچی، اسراف اور دکھاوے کا یہی منظر ہوتا ہے، جسے دیکھکر صاحب ایمان فرد لرز جاتا ہے کہ دولت کیا آئی ہے کہ فرد آپے میں نہیں رہا اور وہ معاشرہ کے غریب افراد کے لئے غلط مثالیں قائم کرکے، ان کو دوراہے پر کھڑا کرنے کا ذریعہ بن رہا ہے۔

یہ المناک صورتحال کسی ایک آدھ شہر کی نہیں، بلکہ کھاتے پیتے افراد کی یہ روش عام ہے۔ ملک کا ہر شہر اور ہر قصبہ شادیوں کے مواقع پر خوشحال افراد کی طرف سے اس منظر کی عکاسی پیش کررہا ہوتا ہے۔

خوشحالی کی فہرست میں شامل افراد کی ایک اور علامت جو عام ہورہی ہے وہ یہ ہے کہ اچھی گاڑی اور بہتر مکان آنے کے بعد گھر کی عورتوں کا پردہ ختم ہونا شروع ہوجاتا ہے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیمی اداروں میں تعلیم کی روش عام ہوجاتی ہے، جہاں شرم وحیا اور عفت کے تصورات مجروح ہونے لگتے ہیں۔

مالداری اور خوشحالی کی یہ آفتیں ایسی ہیں، جن سے بچنا دشوار تر ہوگیا ہے۔ اور دکھ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ دولت کی ان خرابیوں کا مشاہدہ ہونے کے باوجود ہر فرد اس آرزو وتمنا میں جی رہا ہے کہ کاش کہ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ دولت آئے، تاکہ وہ مالداروں کی صف میں شامل ہو، تاکہ اس کی زندگی، دنیا کی ہر طرح کی آسائشوں سے بہرہ ور ہو سکے۔

یہ صورتحال ایسی ہے، جو صاحب ایمان فرد کو دکھ واذیت سے سرشار کردیتی ہے اس کی نظر میں مالداروں کی یہی روش ہے، جو معاشرہ کو خیر وبرکت سے محروم کرنے اور اللہ کے عتاب کو خریدنے کا موجب ثابت ہورہی ہے۔

غربت کے خاتمہ کے لئے دولتمند سیاستدانوں سے کچھ معروضات

۳۲۔ ہمارے ملک کا ایک بڑا مسئلہ افلاس، غربت، بے روزگاری، اور مہنگائی کی بڑھتی ہوئی لہر کا ہے، لوگوں کے لئے دو وقت کی روٹی کا حصول دشوار ہوگیا ہے، علاج معالجہ کے لئے لوگوں کے پاس پیسے نہیں ہوتے، ملک کے ہر شہر کی لگ بھگ ہر مسجد میں روزانہ غریب اور مسکین افراد مالی امداد اور آٹا دلانے کی فریادیں کرتے رہتے ہیں، خود متوسط طبقہ کے افراد پس کر رہ گئے ہیں، ان کے لئے سفید پوشی کے بھرم کو قائم رکھنا دشوار ہوگیا ہے، گھر میں بیماری ہوجاتی ہے تو قرضہ لے کر کام چلانا ہوتا ہے، غربت کی اس بڑھتی ہوئی صورتحال کی وجہ سے گھروں میں لڑائی جھگڑے پیدا ہورہے ہیں اور لوگ مایوس ہوکر، خودکشی اختیار کرنے پر مجبور ہورہے ہیں، ملک بھر میں ماہانہ کئی سو افراد خودکشی کررہے ہیں۔

ہمارے ہاں سرمایہ داروں کے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے، ہمارے ملک کے سے متعدد سیاستدان ایسے ہیں، جن کی اربہا ڈالر کی رقم بیرون ملک بینکوں میں پڑی ہوئی ہے، اتنی بڑی دولت جو لوگوں کے کام نہ آسکے، وہ کس کام کی؟ سوائے دل بہلانے اور حرص وہوس کے جذبات کی تسکین کے کس فائدہ کی؟ کیا ہمارے یہ سیاستدان اربہا ڈالر کی یہ رقم وطن میں لاکر، ہر فرد کو روٹی فراہم کرنے اور ہر غریب کا مفت میں علاج کرانے کے رفاہی کاموں میں خرچ نہیں کرسکتے، اگر وہ اس رقم کا اَسی فیصد حصہ بھی ملی تعمیر اور لوگوں کی فلاح وبہبود کے کاموں میں صرف کریں تو اس کے بعد بھی ان کے پاس اتنی

دولت موجود ہوگی کہ ان کی کئی نسلوں کی ضروریات کے لئے کافی ثابت ہوں گی۔

ایسا کرنے سے وہ کروڑہا غریب لوگوں کی دعاؤں کے مستحق ہونگے، سب سے بڑی بات یہ کہ اس سے ان کو ذہنی اور قلبی سکون کی دولت حاصل ہوگی، اللہ کی غریب مخلوق کے کام آنا اور ان کی معاشی پریشانیوں کو دور کرنا، سب سے بڑی نیکی ہے، ہمارے مذکورہ سیاستدانوں کو اس پر غور وفکر کرنا چاہیئے، اس لئے کہ ایسی دولت، جو اللہ کی غریب مخلوق کے کام نہ آئے، وہ قیامت کے دن طوق بن کر گردن میں ڈال دی جائے گی، اور قیامت کوئی دور کی بات نہیں، مرتے ہی لوگوں کے سامنے قیامت کا منظر ظاہر ہونے لگتا ہے، اس سلسلہ میں قرآن کی درج ذیل آیت مالداروں کے انتباہ کے لئے کافی ہے، **وَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْراً لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُواْ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.** (وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنے فضل سے مال دیا ہے، وہ اس میں بخل سے کام لے رہے ہیں، وہ اسے اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں، بلکہ یہ ان کے لئے برا ہے، وہ مال جس میں وہ بخل سے کام لے رہے ہیں، قیامت کے دن اس مال کو ان کا طوق بنا کر، ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔) (سورہ آل عمران آیت ۱۸۰)

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ ریاستی سیاستدانوں اور دوسرے مالداروں کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ پاکستانی ملت کے کروڑہا غریب افراد کے لئے ایسا فلاحی سسٹم قائم کریں، جس سے ہر فرد کو آسانی سے ضرورت کی چیزیں دستیاب ہوسکیں، غربت کا الاؤنس، مہنگائی کا الاؤنس وغیرہ یہ ساری چیزیں یورپ کی طرح ہمارے ملک کے لوگوں کو بھی میسر ہوں۔

پاکستانی ملت کی دو بنیادی کمزوریاں

کتاب سے رشتہ کا ٹوٹنا اور ذکر کے حلقوں سے دوری کا ہونا

۳۳۔ پاکستانی ملت کی دو کمزوریاں ایسی ہیں، جو اس کے بڑھتے ہوئے زوال میں اہم کردار ادا کررہی ہیں، ان کمزوریوں کے ازالہ کی صورت کا پیدا ہونا ازحد ضروری ہے، ورنہ ملت کا بڑھتا ہوا زوال اس کے لئے دنیا کی زندگی کو عذاب کی صورت میں بدل دے گا۔

ایک کمزوری تو یہ ہے کہ افراد ملت کا کتاب سے رشتہ ختم ہوتا جا رہا ہے، علمی کتابیں پڑھنے پڑھانے کا رجحان تیزی سے ختم ہو رہا ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو صحیح ہوگا کہ معاشرہ کے ہر طبقہ سے وابستہ افراد میں کتاب دشمنی کی فضا پیدا ہو رہی ہے، یہ کتاب ہی ہے، جس سے اپنی تہذیب، اپنی تاریخ، ماضی کی اپنی مثالی شخصیتوں کے کردار، اپنی ملت کے عروج وزوال کے مد وجزر اور تلاش وتحقیق اور غور وفکر کا مادہ پیدا ہوتا ہے، جب افرادِ ملت کا کتاب سے رشتہ ختم ہوجاتا ہے تو گویا اپنے شاندار ماضی سے اس کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اور مسائل حیات اور تمدنی ومعاشرتی ترقی کے سلسلہ میں غور وفکر جمود کی نذر ہوجاتا ہے، کتاب سے محروم قوموں پر کتاب کی حامل قومیں بالآخر غالب ہوجاتی ہیں، قرآن مجید کی پہلی ہی آیت پڑھنے سے متعلق ہے، اقراء باسم ربک (پڑھ اپنے رب کے نام سے)۔

دوسری اہم چیز جو کتاب سے بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہے، وہ اللہ کے ذکر اور ذکر کے حلقوں سے دوری کی روش ہے، ہمارے ملک کے ہر شہر میں مختلف مقامات پر ذکر وفکر کے حلقے ہوتے رہتے ہیں، لیکن ہزاروں لاکھوں کی آبادی کے شہروں میں ذکر کے حلقوں میں شرکت کرنے والے بمشکل چند افراد ہوتے ہیں، جس سے افراد معاشرہ کی اللہ کے ذکر سے دوری، بیزاری اور وحشت کا انداز ہوسکتا ہے، اگر کسی شہر میں فلمی اداکار کا پروگرام ہو تو لوگ اس کے پروگرام کو دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں اور گھنٹوں اس کے ناچ گانے کی مجلس کو دیکھنے میں فرحت محسوس کرتے ہیں، لیکن اللہ کے ذکر کی محفلوں میں شرکت کرنا گوارا نہیں، اللہ کا ذکر جو اپنے ساتھ اللہ کی مدد ونصرت لانے کا ذریعہ ہوتا ہے، اللہ کا ذکر، جو ہر طرح کے مصائب ومشکلات کو ٹالنے اور افراد کی احساس کی شدت کو ختم کرکے، صبر وشکر کی نفسیات پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے، اللہ کا ذکر، جو فرد وافراد کو مہذب بنانے، اللہ کے بندوں سے محبت کرنے، سیرت وکردار کو پاکیزہ بنانے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو آسان بنانے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہوتا ہے، اللہ کا ذکر جو دنیا کو قائم رکھنے کا موجب ہے، اس ذکر سے غفلت ہی نہیں، بلکہ وحشت وبیزاری کا پیدا ہونا، ملت کا سب سے بڑا المیہ ہے، ایسی ملت، جو اللہ کے ذکر کے نور اور اللہ کے سایہ وپناہ میں نہیں آنا چاہتی ہو، اس پر مشکلات ومصائب کے جتنے بھی پہاڑ گریں، کم ہیں، بیدار ہونے اور سنبھلنے کی ضرورت ہے۔

ثقافتی تحریک کے فقدان کی وجہ سے مؤثر طبقات میں جاگیردارانہ میلانات کا غالب ہونا

۳۴۔ پاکستانی ملت کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ یہاں لوگوں کے فکر ونظر اور دل ودماغ کی صحتمند بنیادوں پر تبدیلی کی کوئی تحریک شروع نہ ہوسکی، دوسرے الفاظ میں یہاں ثقافتی تحریک مستحکم نہ ہوسکی، جو افراد کے ذاتی مفادات پر اجتماعی مفادات کو ترجیح دینے کی تربیت کا عمل سرانجام دیتی۔

ملی سطح پر اس طرح کی تحریک کے فقدان کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ہاں جاگیردارانہ سوچ کو فروغ ملا اور جاگیردارانہ طرز عمل کو تقویت حاصل ہوئی، بلکہ جاگیردارانہ رویہ ہمارے اہل سیاست، سول وفوجی بیوروکریسی اور اہل صنعت واہل تجارت کے مزاج کا حصہ بن گیا، ہر وہ شخص جس کے پاس کچھ دولت اور کچھ اختیارات آنے لگے، وہ جاگیردارانہ سوچ وکردار کا حامل ہوتا چلا گیا اور اس کی معاشرتی سطح بلند سے بلند تر ہونے لگی اور اللہ کے غریب بندوں کو وہ کم تر مخلوق سمجھنے لگا۔

ہمارے مقابلہ میں بھارت میں گاندھی نے ثقافتی تحریک شروع کی، جس کے تحت سادہ لباس، سادہ طرز معاشرت اور سادہ زندگی پر زور دیا گیا اور دیسی صنعتوں کے قیام پر زور دیا گیا، چنانچہ وہاں جاگیرداری سسٹم ختم ہوگیا اور جاگیردارانہ سوچ اور جاگیردارانہ طرز عمل میں بہت کمی واقع ہوئی، وہاں سرمایہ دار ہو یا وزیر یا اسمبلی کا ممبر، وہ سادہ نوعیت کی بنی ہوئی مقامی گاڑی استعمال کرتا ہے، ان کے لباس اور معاشرت کی سادگی دیکھ کر معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ سرمایہ دار ہے اور معاشی اور سیاسی اعتبار سے ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔

گاندھی کی ثقافتی تحریک نے اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود بھارت میں سادہ طرز زندگی کو رواج دیا اور سول وفوجی انتظامیہ، اہل سیاست واہل صنعت واہل تجارت ان سارے طبقوں میں جاگیردارانہ سوچ کو فروغ ہونے سے ایک حد تک روکا، اور جاگیردارانہ طرز عمل پر ضرب کاری لگائی۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں جوش وخروش کی فضا غالب رہی اور جذبات کا طلاطم خیز ماحول رہا، یہاں اس طرح کی ثقافتی تحریک کے لئے کوئی تحریک طاقتور ومستحکم نہ ہوئی،

اس کی جو سزا ہمیں مل رہی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر شعبۂ زندگی سے وابستہ مالدار افراد تیزی سے جاگیردار بنتے جارہے ہیں اور جاگیردارانہ ذہنیت کی روک تھام کی ساری صورتیں مسدود ہوتی جارہی ہیں۔ جاگیردارانہ مزاج اور طرزِ عمل کی علامتوں میں بلند طرزِ معاشرت، بہتر سے بہتر اور نئی شاندار گاڑیوں کا استعمال، اجتماعی ملی مفادات کی قیمت پر مالدار سے مالدار تر بننے کی روش کا ہونا، اللہ کی غریب مخلوق سے بے نیازی کے رویہ کا ہونا، قومی تعمیر کے کاموں سے دلچسپی کا نہ ہونا، تحکمانہ انداز کا غالب ہونا، مال جمع کرنے کی دوڑ میں جنون کی حد تک آگے بڑھنا، انسانی اقدار سے ناآشنائی کا ہونا، اللہ کے لئے مال خرچ کرنے سے بیزاری کا ہونا، بخل، تنگ دلی، سنگ دلی کا مظاہرہ ہونا، ٹیکس چوری کی روش کا ہونا وغیرہ شامل ہے، یہ جاگیردارانہ روش ایسی ہے، جو لگ بھگ ہمارے سارے مالدار طبقات کا حصہ بن گئی ہے، بدقسمتی سے جاگیرداروں کی اس فہرست میں دولت کے حامل ڈاکٹر، انجنیئر، پیر اور پیروں کے صاحبزدگان بھی شامل ہوگئے ہیں، دولت کا دکھاوا اور عمارات کی شان ومان کے اس مظاہر نے ملت کے غریب طبقات کے لئے زندگی کو دشوار سے دشوار تر بنادیا ہے۔

معاشرہ میں اس طرح کی خاموش ثقافتی تحریک اس سے پہلے صدیوں تک مشائخ اور بزرگانِ دین ہی برپا کرتے تھے، ان کی شخصیتوں میں وہ تاثری صلاحیت تھی کہ جو فرد بھی ان کی صحبت میں آتا تھا، اس کے اندر کی دنیا بدلنا شروع ہوجاتی تھی، اس میں انسانیت کے اجزا غالب آنا شروع ہوجاتے تھے اور وہ افراد معاشرہ کے لئے باعث خیر وبرکت ثابت ہوتے تھے، ان کی معاشرتی زندگی سادگی کا نمونہ بن جاتی تھی، بدقسمتی سے ہمارا یہ دور ماضی کا قصہ بن چکا، اب بزرگی کا جو معیار بن گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جو زیادہ سے زیادہ مالدار ہو، جو شاہانہ زندگی گزارتا ہو، جو پہروں میں رہتا ہو، جو مالداروں کے علاوہ عام لوگوں سے نہ ملتا ہو، اصل اور حقیقی بزرگ وہی ہے، اس طرح کی شخصیت کو ہزاروں لاکھوں مرید مل جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری حالت زار پر رحم فرمائے۔

حقیقی اہل اللہ کا اخلاقی اقدار
اور روحانی پاکیزگی کا وارث ہونا

۳۵۔ حقیقی اہل اللہ کے بارے میں یہ نکتہ ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ وہ تزکیہ اور باطنی تعمیر کے کام کے تسلسل کے وارث ہیں، وہ نورِ نبوت کے اجزاء کے حامل ہیں، جو مشائخ کے سلسلوں کے ذریعہ صحابہ کرام سے ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اطہر سے منتقل ہوتا رہا ہے، حقیقی اہل اللہ، قرآن وسنت کے رنگ کو غالب کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں، حقیقی اہل اللہ اپنے شیخ کامل کی صحبت کے زیر اثر ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں کے ذریعہ نفس کے بت خانہ کو توڑ پھوڑ کر، انسانیت، انسانی اقدار اور روحانی پاکیزگی کے وارث وامین ہوتے ہیں، تزکیہ، اخلاق حسنہ، تقویٰ، زہد، استغنا اور صبر وشکر وغیرہ جیسی نعمتیں جو اسلام اور انسانیت کا سرمایہ ہیں، وہ انہی کی صحبت سے حاصل ہوتی ہیں، حقیقی دینی حمیت اور دین پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی استعداد انہی کے زیر صحبت عطا ہوتی ہے۔

ضد، ہٹ دھرمی، انانیت، خودسری، دوسروں کی تحقیر اور اپنی بڑائی کی نفسیات کے غلبہ جیسی بیماریاں ان کے فیض نظر سے دور ہوتی ہیں۔

اس نکتہ کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ آج امت، نفسانیت، نفسانی اور ذاتی وگروہی مفادات کی وجہ سے ایک دوسرے سے متصادم ہے اور معاشرہ ہر طرح کی خرابیوں اور مفاسد سے عبارت ہوچکا ہے، دنیاوی مفادات سے دستبرداری کی راہیں مسدود ہوچکی ہیں، علم ومعلومات کا خزانہ موجود ہے، لیکن علم پر عمل کرنے کی استعداد مفقود ہے۔

ہمارا معاشرہ پہلی مرتبہ اس صورتحال سے دوچار ہے کہ نفسانی قوتیں شہری سطح سے لے کر محلّہ کی سطح تک غالب ہیں، نیکی اور برائی کی تمیز تیزی سے ختم ہورہی ہے، دنیا مقصود کی حیثیت اختیار کرچکی ہے، مذہب سے وابستہ طبقات کے درمیان نفرت ودوری کی دیوار قائم ہوگئی ہے، عالمی طاغوت پوری ملت کو پامال کرنے اور ملت کی نئی نسلوں کو یرغمال بنانے، ان کے فکر ونظر اور اخلاق کو تباہ کرنے کے لئے اپنے سارے ساز وسامان

سے حملہ آور ہے، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری نسلیں اور ملت کے کروڑ ہا افراد دجالی تہذیب کے علمبرداروں کے بھینٹ چڑھ چکے ہیں، لیکن ملی مقاصد کے لئے ہم مشترکہ طور پر کوئی حکمت عملی تیار کرنے کے لئے تیار نہیں، سبب یہی ہے کہ باطن کی تعمیر اور تزکیہ کے اعتبار سے ہم زبوں حالی کا شکار ہیں۔

دعوتی کام کی اہمیت اور اس میں درپیش خطرات اور ان سے بچاؤ کی صورت

۳۶۔ بندہ مومن کی نظر میں دین کا دعوتی کام اس کے فرائض میں شامل ہے۔ معاشرے میں دوسری دعوتوں کو جو فروغ حاصل ہو رہا ہے، اس کا بنیادی سبب دین کے دعوتی کام سے غفلت کا عمومی رجحان ہے، جو افراد امت میں پیدا ہو گیا ہے۔ اگر دعوتی کام اخلاص، خود احتسابی، ذکر اور دوسروں کے جذباتِ اکرام واحترام کے ساتھ ہو تو یہ کام فرد وافراد کی دنیا وآخرت کی ساری سعادتوں کے لئے کافی ہے۔

دینی طبقات میں دعوتی کام کی اہمیت کے تقریبا سب معترف ہیں۔ اور ہر دینی جماعت اپنے اپنے طور پر اور اپنے دائرہ کار کے تحت اپنے حلقہ اثر میں یہ کام کرتی بھی ہے، صوفیاء کرام کے ہاں دعوتی کام کے لئے پہلے فرد کی تربیت وتزکیہ کو فیصلہ کن اہمیت دی جاتی ہے کہ کہیں دعوت کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے اس میں تکبر، دعویٰ اور دوسروں کی تحقیر کا مزاج پیدا نہ ہو جائے۔ تبلیغی جماعت نے بعض بنیادی اصولوں کے تحت دعوتی کام کی روایت ڈالی، اور وہ اس کام کو عالمی سطح تک لے جانے میں کامیاب ہوئی۔

دعوتی کام میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب فرد کچھ آگے بڑھتا ہے تو بالخصوص باصلاحیت اور ذہین افراد میں اپنے نمایاں ہونے اور نفسی جذبات انگڑائیاں لینے لگتے ہیں۔ اس طرح یہ دعوتی کام باصلاحیت افراد کے لئے ابتلا وآزمائش کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم بیسویں صدی کے ایک ممتاز داعی مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب کے طرف سے داعی کو پیش آمدہ بعض خطرات پیش کرتے ہیں، جو ان کے مکتوبات کی کتاب سے ماخوذ ہیں، چونکہ

یہ خطرات ایسے ہیں، جو لگ بھگ ہر داعی کو درپیش ہوتے ہیں۔ اس لئے اس خط کی اہمیت کے پیش نظر ہم مولانا کے اپنے الفاظ میں یہ پیش کر رہے ہیں۔

’’آپ کا خط پڑھ کر بندہ کو یہی محسوس ہوا کہ جو تاثیر اللہ تعالیٰ کی راہ میں پھرنے والے کے کلام میں ہے، وہ بیٹھ کر بیان کرنے والے کے کلام میں نہیں، خواہ کیسا ہی زور دار کلام ہو، جو دلوں کو ہلا دینے والا ہو، لیکن وہ فقط ہانڈی کے ابال کی طرح ہے، جو تھوڑی دیر کے بعد دب جاتا ہے اور سرد ہو جاتا ہے۔ ہم مولانا الیاس صاحبؒ کے کلام میں اور دوسرے مقررین وواعظین کے کلام میں نمایاں فرق پاتے ہیں اور ہم نے یہ محسوس کیا کہ مقررین کے کلام کی مثال زور دار بارش کی طرح ہے، جو یک لخت سیلاب بن کر نکل جاتا ہے، زمین کو اور پیداوار کو اس سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچتا، بلکہ اکثر نقصان کا باعث بن جاتا ہے، لیکن اللہ کے داعی کا کلام جو اللہ کی راہ میں نکل کر محنت کر رہا ہے، ہلکی ہلکی بارش کی طرح ہے، جو زمین میں جذب ہو رہی ہے اور زمین کو سبزہ زار بنا رہی ہے۔ اللہ ہم سب کی شیطان ونفس کے مکروفریب سے حفاظت فرمائے، کیونکہ وہ جس قدر داعی کا دشمن ہے اور اس کو دین کی دعوت سے جتنی دشمنی ہے، اتنی اور کسی سے نہیں، اس لئے اول تو وہ دعوت کے لئے نکلنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے اور اگر اس کے اس پھندے سے نکل جائے تو وقت صحیح گزارنے میں خلل ڈالتا ہے اور وقت صحیح گزارنے نہیں دیتا، اور اگر اس میں بھی وہ ناکام رہا تو داعی کے دل میں نخوت، بڑائی اور دوسروں کی تحقیر کا جذبہ ڈالتا ہے۔

داعی کے لئے شیطان کے پھندے

اہل ذکر اور دین کے دوسرے کام کرنے والوں سے تنفر کرنا اور امراء کو ان کی طرف متوجہ کرنا

۳۷۔ یہاں تک کہ وہ اہل علم، اہل ذکر اور دین کے دوسرے کام کرنے والوں سے متنفر کر دیتا ہے اور اگر اس گھاٹی سے بھی اللہ کی راہ میں چلنے والا پار ہو گیا تو پھر اپنی شخصیت کو بڑا سمجھنے کا جذبہ ڈالتا ہے اور اپنے کو خواص میں شمار کرنے لگتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں دعوت میں پرانا ہو گیا اور اہل الرائے میں سے بن گیا، اب خصوصی کاموں میں جیسے خصوصی گشت، مجلس شوریٰ وغیرہ میں مجھے لیا جائے، اور میرے لئے خصوصی دسترخوان اور خصوصی آرام کا انتظام اور خصوصی سواری اور میرے ساتھ خصوصی

معاملہ کیا جائے، لیکن اگر وہ اس سے بھی محفوظ رہا اور شیطان کے قبضہ میں نہ آیا تو وہ امراء واغنیاء کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ اس کا اکرام کریں اور اس کو حیثیت دیں، اس سے بہت سے اس کے اس جال میں پھنس جاتے ہیں اور ان کا تعلق اللہ سے جڑنے کی بجائے مالداروں سے جڑنے لگتا ہے اور شیطان اس میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

اگر داعی اس میں بھی شیطان کے پھندے سے بچ گیا تو حکام کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اس کو قاضی بنایا جائے یا کسی اور محکمہ کا سردار بنایا جائے، مجلس شوریٰ کا ممبر بنایا جائے وغیرہ وغیرہ اور اگر کوئی اس منزل میں بھی اس سے بچ گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے ہدایت کا کام لیتے ہیں۔ لہذا سب سے زیادہ ان گھاٹیوں میں شیطان سے بچنے کی ضرورت ہے اور آج شیطان کے مکر وفریب ہم پر بہت چل جاتے ہیں، کیونکہ ہم دنیا میں عزت وعیش وآرام کے طالب بنے ہوئے ہیں، جب تک یہ طلب دل سے نہیں مٹے گی، اس وقت تک شیطان کے مکر سے بچنا دشوار ہی نہیں، بلکہ محال ہے، نیز جب تک وہ چیزیں جو دنیاداروں کو پسند ہیں، دل میں مکروہ اور ناپسند نہ ہوجائیں، اس وقت تک نفس نہیں سنورے گا۔ کیونکہ مومن حقیقی کا نفس مومن ظاہر سے ممتاز ہوا کرتا ہے، اس کی خواہش اور چاہت بدل جاتی ہے، وہ ان چیزوں کی خواہش کرتا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کے یہاں پسندیدہ ہیں۔''

مومن کو فقیری میں کامیابی اور بادشاہت میں ناکامی کا نقشہ نظر آنا

۳۸۔ اس کے یہاں فقیری بادشاہت سے زیادہ محبوب ہے، بلکہ فقیری میں کامیابی اور بادشاہت میں ناکامی کا نقشہ نظر آنے لگتا ہے اور وہ اس دھوکہ میں نہیں پڑتا کہ سلیمان علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام بھی تو بادشاہ تھے۔ وہ ظاہر میں بادشاہ تھے، لیکن حقیقت میں زمین میں اللہ کے خلیفہ تھے اور خلافت اور بادشاہت میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور جب حضور پاک ﷺ پر بادشاہت والی نبوت پیش کی گئی تو آپ نے اس کو اختیار نہیں فرمایا، اس لئے امت میں دین نبوت سے پھیلا، اس کے بعد خلافت سے، کیونکہ دعوت کو ان ہی دور سے مناسبت ہے۔ مگر دعوت والا مزاج بناتا پڑتا ہے اور دعوت سے ہی مزاج ایمانی بنتا ہے اور مزاج ایمانی سے ہی مزاج اسلامی بنتا ہے، جو اس ترتیب کے خلاف چلے گا، اس کا مزاج صحیح نہیں بنے گا، خواہ کتنی ہی محنت کرے،

مزاج دعوت میں جان ومال کی قربانی دل سے ان کی محبت نکال دیتی ہے اور نگاہ میں دنیا کو بے قیمت بنادیتی ہے، نیز مخلوق پر شفقت بڑھادیتی ہے ان کی ہدایت کی حرص، اپنی راحت وآرام کو چھڑادیتی ہے اور مخلوق کی ہدایت کے لئے بے چین وبے قرار کردیتی ہے اور جب تک یہ بے چینی اور بے قراری حاصل نہ ہو، دعوت والا مزاج نہیں بنتا، صرف زبانی دعوت رہتی ہے اور مزاج ایمانی کے معنی یہ ہیں کہ غائب کو سامنے رکھ کر چلنے لگے اور غیبی وعدہ اس قدر یقین کے درجہ میں آجائے کہ مشاہدے سے نگاہ اور جذبات کو اور یقین کو نکال دے اور غیبی منفعتوں کا یقین قربانی والا رہا ہے اور غیبی نقصانات دنیا کے دھوکہ سے بچا رہے ہوں، جسے قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے اور اسلامی مزاج کے معنی یہ ہیں کہ ہر وقت اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کے سامنے گردن جھکائے رکھے کہ اس کے خلاف پر نہ دنیا آمادہ کرسکے، نہ شیطان ونفس۔''

نفس، شیطان اور دنیا کے سحر سے بچنے کی ضرورت

۳۹۔ ''آج ہم اس میدان دعوت میں طفل مکتب کی طرح سے ہیں، الفاظ پڑھ رہے ہیں اور بول رہے ہیں، نہ حقیقت سے واقف، نہ اس کے اصول سے، اگر اس راستے پر چلتے رہیں، بشرطیکہ اخلاص، دل میں ہو اور اطاعت امیر ہو، اور مشوروں کا پابند ہو تو انشاء اللہ مقصد والوں کے ساتھ جاملیں گے، خواہ اصول میں کمی ہو، جیسے قرآن شریف حفظ کرنے لگتا ہے اور ابھی شروع ہی کیا ہے اور موت آگئی تو حفاظ کے ساتھ انشاء اللہ قیامت میں اٹھایا جائے گا۔ لیکن نفس وشیطان سے بہت ہوشیار ہوکر چلنا پڑتا ہے اور دنیا کے سحر سے بھی اپنے بچاؤ کی ضرورت ہے۔ جو ان چیزوں کا لحاظ کرتے ہوئے نہیں چلتا، اس کے ان کے نرغے میں آجانے کا خوف ہے، کیونکہ یہ چیزیں دعوت حق ودعوت آخرت سے، دعوت باطل اور دعوت دنیا کی طرف پھیر دیتی ہیں، اسی لئے اپنی تعریف کرنے والوں سے خوش نہ ہوں اور برائی کرنے والوں سے ناراض نہ ہوں اور ان دونوں کی طرف التفات نہ کریں اور موت وآخرت کا اتنا مراقبہ کریں کہ دنیا کا جادو اس پر اثر نہ کرسکے، نیز ایک دوسرے کے لئے دعا بھی خوب کریں۔ دعا اللہ تعالیٰ کی غیبی طاقت ہے، بشرطیکہ اللہ کی ذات پر یقین پر ہو کہ سب کچھ انہیں کے قبضہ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر مسئلہ دعا سے حل ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کے قصے بیان کئے ہیں، ان میں غور کرتا رہے، وہ قصے ہمارے لئے درس ہیں۔ دعوت میں چلنے والوں کی نظروں کے سامنے وہ واقعات ہمیشہ رہنے چاہئیں۔ (مکاتیب، حضرت سعید احمد خان مدنی رحمتہ اللہ۔ حصہ دوم صفحات ۱۷۵ سے ۱۷۸)

انسانیت کو دعوت اسلام کی ضرورت

۴۰۔آج انسانیت کو **الست بربکم قالوا بلیٰ** کے عہد کی یاددہانی کی سخت ضرورت ہے، اس عہد کی انسانی فطرت میں آہنگ اس شدت کے ساتھ موجود ہے کہ بڑے سے بڑے باغی اور نافرمان افراد کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب وہ زندگی کے کسی بڑے بحران اور طوفان وغیرہ کی زد میں آجاتے ہیں اور موت کے سے حالات سے دوچار ہوتے ہیں تو وہ اسی ایک اللہ کو پکارنے لگتے ہیں اور اسی سے فریاد کرنے لگتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ اسے اس بحران وطوفان سے نکال لیتا ہے تو پھر وہ اللہ کو بھول جاتا ہے اور دوسرے معبودوں کی پرستش کرنے لگتا ہے۔ سب سے بڑا معبود نفس اور اس کی خواہشات ہی ہیں، جس کی وہ پوجا کرنے میں زندگی صرف کرتے ہیں۔

انسانی شخصیت کو اگر بچپن سے اس کی صحیح فطرت اور صحیح فطری خطوط پر رکھا جائے اور انہی فطری خطوط پر اس کی نشوونما کی جائے تو توحید، اللہ کی عبادت اور اس سے والہانہ محبت کی راہ ازخود ہموار ہونا شروع ہوگی، اس لئے کہ انسان کی اصل شخصیت روح اور طاقتور فطرت اسے ادھر ادھر بھٹکنے سے بچاتی رہے گی۔

اب جب انسانیت، فطرت سلیمہ سے بغاوت کی انتہائی حدود تک پہنچ چکی ہے اور انسانیت کے سارے اجتماعی وانفرادی نظام کی تشکیل، فطرت سے بغاوت اور مادہ پرستی کی بنیاد پر کی گئی ہے تو اس سے انسانی شخصیت اور اس کی زندگی کا داخلی وخارجی نظام فساد سے دوچار ہوگیا ہے اور اس کی صفوں میں کہرام مچا ہوا ہے اور وہ اس وسیع کائنات میں اپنے آپ کو تنہا، بے بس اور بے گانگی کا شکار محسوس کرتا ہے۔ بظاہر وہ خوبصورت لباس اور بہتر گاڑیوں میں نظر آتا ہے، لیکن اس کا اندر ویران ہوگیا ہے اور وہ باطنی طور پر کرب واذیت کے شدید احساسات سے دوچار ہے۔

یہ مادی تہذیب کا آخری نتیجہ ہے، جس نے انسانیت کو اس سے انسانیت کے پاکیزہ لطیف احساسات سلب کرکے، اسے حیوان سے بھی بدتر مقام تک پہنچایا ہے۔

ان حالات میں ضرورت ہے کہ انسانیت کی حالت زار پر رحم کھائے ہوئے، اسے **الست بربکم قالوا بلیٰ** کا عہد یاد دلایا جائے، اسے اس کی فطرت سلیمہ کی طرف لایا جائے، اسے روح کی صدا پر لبیک کہنے پر آمادہ کیا جائے، محبوب حقیقی سے اس کی محبت کے پاکیزہ جذبات بیدار کئے جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت انسانیت، فطرت سلیمہ کے مسخ ہونے اور مادہ پر فدائیت کی وجہ سے زندگی اور موت کے سے حالات سے دوچار ہے، وہ باطنی اور روحانی طور پر آگ کے انگاروں پر لیٹ رہی ہے۔

انسانیت کو اس بحران سے نکالنے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ عالمی سطح پر **قالوا بلیٰ** کی صدا کی یاد دہانی کرائی جائے، یہ یاددہانی جدید نفسیاتی وطبعیاتی تحقیقات کی روشنی میں کی جائے، اس لئے کہ جدید تحقیقات بھی تیزی سے ہر پھر کر توحید، کائنات میں موجود وحدانیت اور انسانی شخصیت میں مادہ سے بلند پاکیزہ لطیف احساسات اور لطیف قوتوں کی موجودگی کے انکشافات پر مبنی ہورہی ہیں، اس سلسلہ میں ڈی این اے کی تحقیق نے مادہ پرستی کے اب تک کے سارے نظریات کی علمی بنیاد اکھاڑ کر رکھدی ہے۔

مسلم ملت کے ذہین وباصلاحیت افراد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلہ میں انسانیت کی فکر کریں اور اسے مادہ پرستی کی بے رحم موجوں کی نذر ہونے سے بچائیں۔

مسلمانوں میں عالمی سطح پر ایسے ادارے قائم ہونے چاہئے، جو غیر سیاسی سطح پر جذبات انسانیت سے سرشار ہوکر علمی طور پر یہ کام سرانجام دیں۔

اگرچہ مادہ پرستی کی ہمہ گیر فضا نے انسانیت کے سوچنے سمجھنے اور باطن کی بیداری کی راہ میں سنگین رکاوٹیں کھڑی کردی ہیں، تاہم مغرب میں تحقیقی مزاج اور علمی مزاج کے غلبہ کی وجہ سے اس طرح کا کام ہر اعتبار سے مؤثر ہوگا۔ ویسے بھی مسلم امت کی یہ منصبی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسری قوموں تک اسلام کے پاکیزہ پیغام کو پہنچائیں۔

اگر مسلمانوں کا ایک مؤثر طبقہ ہی خدمت کا یہ کام اپنے ذمہ لے تو پوری امت اس سے سبکدوش ہوسکتی ہے۔

یہی طریقہ ہے، جس سے انسانیت بالخصوص مغرب کو فطرت سلیمہ کی راہ پر لایا جاسکتا ہے،اس کی دوسری کوئی صورت نہیں۔

مغرب اس وقت اسلام اور اسلامی تہذیب کو مٹانے کی آخری حد تک کوششوں میں مصروف ہے، اس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ اہل مغرب کو حیوانیت اور حیوانی جذبات واحساسات سے نکال کر، پاکیزہ انسانی جذبات کی طرف لانے اور انہیں آخرت کے دائمی خسارہ سے بچانے کے سلسلہ میں مسلم امت کی طرف سے عالمی سطح پر اورمنظّم طور پر سنجیدہ کوششیں نہیں ہورہی ہیں۔

ہمارے (عرب) شیوخ اور ہمارے مالداروں نے ایسا کوئی ادارہ قائم نہیں کیا، جس کی شاخیں مغرب کے ہر قابل ذکر شہر میں موجود ہوں، جس کے تحت مغربی انسان کو ان کی اپنی زبان میں بہتر اسلامی لٹریچر فراہم ہو اوران دفاتر میں ایسے داعی موجود ہوں، جو دعوت اسلامی کے جذبہ اوراس کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوں۔

یہ کام نہ ہونے کا نتیجہ ہے کہ مغرب کی مادہ پرست قوتیں مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہوگئی ہیں اور مسلمانوں کی تباہی کے لئے وہ نئے نئے منصوبوں پر عمل پیرا ہیں۔

کنارے پر کھڑے ہوکر عبادت کرنے کے رجحان میں اضافہ اوراس کی تشریح

۴۱۔وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ. ’’اورلوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں، جو کنارے پر (کھڑے) ہوکر خدا کی عبادت کرتے ہیں، اگر ان کو کوئی دنیاوی فائدہ پہنچے تو اس کے سبب مطمئن ہوجائیں اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائیں، (یعنی پھر کافر ہوجائیں) انہوں نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی، یہی تو نقصان صریح ہے۔‘‘

اس آیت میں ان افراد کے حالات کی عکاسی کی گئی ہے، جو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لئے تذبذب کا شکار ہیں۔ جن پر مفادات کی نفسیات غالب ہے،

جونفس کو تزکیہ کے مراحل سے گزار کر، عبادت واطاعت کے مزاج کو راسخ کرنے کے لئے تیار نہیں، ایسے فرد نفس کی طغیانی لہروں کی زد میں رہتے ہیں۔ کبھی نفس نے چاہا تو عبادت واطاعت کرلی، اگر نفسی مفادات اطاعت سے متصادم ہیں تو اللہ کی اطاعت سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں، دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے باوجود مفادات کے غلبہ کی وجہ سے وہ اللہ کی عبادت واطاعت کے معاملہ میں یکسو نہیں ہوتے، معاشی مفادات کے لئے سود، رشوت، بددیانتی اور لوٹ مار کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ یہ سارے کام کرتا ہے اور نفس اسے اس طرح کے اعمال مزین کرکے دکھاتا ہے۔ کنارے پر عبادت سے مراد اسلامی تعلیمات پر یکسو نہ ہونا ہے۔ عادت کی وجہ سے اگرچہ وہ نماز بھی پڑھتا ہے۔ کچھ ذکر واذکار بھی کرتا ہے۔ لیکن نفسی قوتیں اس پر اتنی غالب ہیں کہ وہ اپنی عملی واجتماعی زندگی میں جائز وناجائز ہر صورت میں مادی ترقی کی راہ پر گامزن ہے، اسے اسلام کی معاشی، ومعاشرتی تعلیمات واحکامات پر عمل پیرا ہونے سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے کہ اسلام کی یہ تعلیمات اس کی مادی خوشحالی وترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

ایسا فرد یا ایسے افراد دراصل کنارے پر کھڑے ہوکر، عبادت کرتے ہیں، ان کا دل ایمان کی گہرائیوں سے آشنا ہوکر، اسلام پر عمل پیرا ہونے کی صلاحیتوں سے بے بہرہ ہے۔

جب مادہ پرستی کی فضا غالب ہوتی ہے تو عام طور پر افراد کا اسی طرح کا مزاج بنتا ہے، جس کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا ہے، اس طرح کے افراد، نفس کو سنوارنے کے لئے مجاہدوں کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یہی نہیں، بلکہ وہ اسے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

موجودہ دور کی اصطلاح میں اسے سیکولر طرز فکر کہتے ہیں۔ یعنی اجتماعی ومعاشرتی زندگی میں تو ہم وہی کچھ کریں گے، جن کا معاشرہ میں چلن ہے اور جو نفس کی چاہت ہے، جس سے معاشرہ میں عزت حاصل ہو، لیکن ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ اوراد ووظائف اور

عبادت بھی کرلیں گے۔

مادہ پرستی کی ہمہ گیر فضا اور مادی ترقی وخوشحالی کے جنون نے معاشرہ میں کنارے پر کھڑے ہوکر، عبادت کرنے کے رجحان میں اضافہ کردیا ہے، اس لئے کہ ایسا کرنے سے نفس پرست معاشرہ سے بھی پوری طرح تعلق قائم رہتا ہے تو ساتھ ساتھ اللہ سے بھی تعلق جڑا رہتا ہے۔ یہ دراصل فریب نفس ہی کی صورت ہے۔

افراد معاشرہ کی اکثریت کا اس بحران سے دوچار ہونے کا ایک سبب یہ ہے کہ افراد میں نفس اور مادیت کے خلاف مزاحمانہ قوت موجود نہیں ہے اور اس مزاحمانہ قوت پیدا کرنے کی طلب وخواہش بھی مفقود ہوگئی ہے، اگر طلب وخواہش موجود ہو تو افراد، تہذیب نفس اور تزکیہ کی راہ کی طرف آسکتے ہیں، لیکن بدقسمتی سے نفس پرستی و مادہ پرستی کے قوتوں کے ہمہ گیر اثرات نے افراد معاشرہ سے اس صورتحال میں تبدیلی کی طلب ہی سلب کرلی ہے، جس پر بندہ مومن خون کے آنسو بہانے پر مجبور ہوتا ہے۔

نفس پرست اور مادہ پرست ظالم ماحول
سے ہجرت کی تاکید

۴۲۔ إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلآئِكَةُ ظَالِمِيْ أَنْفُسِهِمْ قَالُواْ فِيْمَ كُنتُمْ قَالُواْ كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِيْ الأَرْضِ قَالُوَاْ أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُواْ فِيْهَا فَأُوْلَـئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيْراً. (النساء آیت ۹۷)

(وہ لوگ جن کی فرشتے جان نکالتے ہیں، اس حالت میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کررہے تھے، فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس علاقہ میں بے بس تھے، فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم وہ علاقہ چھوڑ کر وہاں چلے جاتے، سوایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔)

قرآن کی اس آیت میں ایمان واعمال صالحہ کی زندگی کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ یہ دولت اتنی عظیم ہے کہ اس کی حفاظت وبقا کے لئے ہجرت ناگزیر ہے، دوسری

صورت میں موت کے وقت اللہ کی سزا اور فرشتوں کی مار سے بچا نہیں جاسکتا۔

اس آیت پر غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایسا ماحول، جہاں نفس پرستی اور مادہ پرستی کے قوتوں کے غلبہ کی وجہ سے ایمان پر قائم رہنا اور عمل صالحہ کی زندگی بُری طرح متاثر ہوتی ہو اور فرد پر مادہ پرستی کے اثرات غالب آنا شروع ہوجاتے ہوں، اس طرح کے ماحول سے ہجرت کرکے، ایسے ماحول میں آنا ضروری ہے، جہاں اعمال صالحہ کی فضا موجود ہو اور اللہ کی عبادت واطاعت کی راہ میں حائل دشواریاں دور ہوتی ہوں۔

اگر دلوں میں ایمان کی قدر وقیمت موجود ہو تو ایسا فرد جسے چہار طرف سے نفسانیت کا ماحول میسر ہو، جس کے زیر اثر اس کی ایمانی حالت تیزی سے دگرگوں ہوتی ہو تو اس کے لئے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ اس ماحول سے ہجرت اختیار کرے، چاہے اس کی وجہ سے اسے مادی خوشحالی سے دستبرداری کی بڑی سی بڑی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔

ایمان، اعمال صالحہ اور اسلام کی سلامتی کی زندگی ایسی قیمتی زندگی ہے کہ اس کے مقابلہ میں ساری دنیا کی دولت بھی ہیچ ہے، لیکن بدقسمتی سے اس دور میں ایمان سب سے سستی چیز بن گئی ہے، ایک فرد اچانک مالدار بن جاتا ہے اور یا بڑا افسر بن جاتا ہے، اس سے عام طور پر اس کا ماحول ازخود بدل جاتا ہے اور وہ دولتمندوں اور نفس پرست افسروں کے ماحول میں مسلسل رہنے کی وجہ سے بُری طرح ان کے اثرات کی زد میں آنے لگتا ہے۔ تکبر، نخوت، شیخی، دولت پرستی اور سنگ دلی جیسی بیماریاں اس کے مزاج کا حصہ بننے لگتی ہیں اور سچی عبادت واطاعت کی طرف آنا اس کے لئے زندگی بھر محال ہوجاتا ہے، اس طرح ایک اچھا خاصا فرد دیکھتے ہی دیکھتے غلط ماحول کے زیر اثر نفس پرستی کی دلدل میں پھنس جاتا ہے اور بدقسمتی سے اس سے اپنی ان بیماریوں کا ادراک بھی سلب ہوجاتا ہے۔

اس طرح کے حالات میں صاحب ایمان فرد بڑا حساس ہوتا ہے، وہ ایسی دولت، ایسی افسری، ایسی سیاست اور ایسی تجارت کی لائین اختیار کرنے کا متحمل نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے وہ نفس پرستی کی قوتوں کے ماحول میں جکڑا جائے۔ اگر خوانخواستہ اسے زندگی کے جس موڑ پر بھی یہ معرکہ درپیش ہو تو وہ اسلام وایمان کی سلامتی اور اس کے تحفظ کی خاطر نفس پرست اور مادہ پرست افراد کے ماحول سے ہجرت اختیار کرنے میں تامل سے کام نہیں لیتا۔

یہ آیت اس سلسلہ میں بڑے انتباہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ایسے دوستوں اور ایسے ساتھیوں سے قطع کرنا، جن سے ایمان واسلام کو لاحق خطرات درپیش ہوں، اس آیت سے یہ مسئلہ بھی سامنے آتا ہے۔

اس آیت کے دوچار آیتوں کے بعد دوسری آیت میں ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو فاسد ماحول وفاسد علاقہ سے تحفظ دین کی خاطر ہجرت کریں گے، اللہ اپنے فضل سے ان کی روزی میں کشادگی پیدا فرمائیں گے، اللہ کی طرف سے اس تسلی کے بعد فاسد ماحول سے ہجرت کی راہ میں دشوار رکاوٹ کا جواز بھی ختم ہوجاتا ہے۔

تمدن کی سہولتوں سے پیدا شدہ مزاج سے مجاہدوں سے دستبردار ہونا

۴۳۔ تمدن کی سہولتوں نے عام طور پر جو مزاج پیدا کیا ہے، وہ دل کی صلاحیتوں کو بیدار کرنے اور نفسی قوتوں سے معرکہ آرائی کے لئے ذکر وفکر کے مجاہدوں کے لئے آمادہ نہیں، افراد کی خواہش ہے کہ ایسا صاحب تصرف بزرگ مل جائے، جو فیض نظر سے ہماری باطنی زندگی میں انقلاب برپا کردے، اس طرح ہمیں اپنے حصہ کا کام کئے بغیر ہمارا نفس مہذب ہوجائے۔

مجاہدوں سے فرار کی اس نفسیات کی وجہ سے موجودہ دور میں بعض اہل اللہ نے تصوف سے مجاہدوں کا حصہ نکال کر، اسے تقویٰ پر زور، (یعنی وعظ ونصیحت کے ذریعہ

تقویٰ پیدا کرنے کی کاوش) نگاہ کی حفاظت کی تلقین، وعظ ونصیحت کے پروگرام اور تین تسبیحات تک اسے محدود کردیا ہے، بعض بزرگوں نے مجاہدوں کو دس پندرہ منٹ کے مراقبہ میں تبدیل کردیا ہے اور اس مختصر ذکر کی بنیاد پر ہی خلافتیں عطا فرمانے کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔

تمدن کی سہولتوں سے پیدا شدہ مزاج سے متاثر ہونے کی ضرورت ہرگز نہیں تھی۔ بزرگان دین کے تسلسل کو قائم رکھنے اور تہذیب نفس کے لئے مجاہدوں سے دستبردار ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں، اس لئے کہ یہ مجاہدے اول تو قرآن وسنت کے نصوص سے ثابت ہیں۔ نصوص بتاتی ہیں کہ نجات، فلاح اور تزکیہ کا تعلق اللہ کے ذکر کے مجاہدوں ہی سے وابستہ ہے "**وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.**" (اللہ کا کثرت کا ذکر کروتا کہ تم فلاح پاؤ) **وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ.** (اس شخص کی بات نہ مان، جس کا دل ہمارے ذکر سے غافل ہے اور وہ خواہش کا پیروکار ہے)۔

دل کا، ذکر سے سرشار ہونا، کثرت ذکر کے بغیر محال ہے اور جس فرد کا دل ذکر کے نور سے محروم ہے، وہ خواہشات نفس کا پیروکار ہوئے بغیر رہ سکے، مشکل ہے۔

لاکھوں بزرگان دین نے نصوص کی روشنی میں اور اپنے وسیع تجربات ومشاہدات سے ذکر وفکر کا جو کورس متعین کیا ہے، اس میں اپنے ذاتی اجتہاد سے تغیر وتبدل کرنا صحیح نہیں، اس کا جو نتیجہ نکل سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ معاشرہ کو پاکیزہ کردار اور حب جاہ وحب مال سے محفوظ قلب سلیم کی حامل شخصیتیں ملنا محال ہوجاتی ہیں۔ اور اس طرح کی شخصیتوں کے بغیر دینی، اخلاقی اور روحانی طور پر فساد زدہ معاشرہ کو سنبھالنا ممکن نہیں۔

سہولت پسندی کا عمومی مزاج تو یہی ہے، جس کا ذکر ہوا، لیکن اللہ کی یہ سنت ہے کہ وہ قیامت تک ایسے افراد پیدا کرتا رہے گا، جو اللہ کے لئے نفس سے معرکہ آرائی کرکے، نفس کو بڑی حد تک مہذب بنانے میں کامیاب ہوں گے۔

اس طرح وہ افراد، معاشرہ کو پورے اخلاص ویقین کی قوت سے اللہ عبادت

واطاعت کی طرف بلانے کے کام میں اپنی زندگیاں وقف کریں گے اور ان کا دل اللہ کے ذکر کے نور سے منور ہوگا اور ان کی صحبت سے ذکر کا ملکہ راسخ ہوگا، اگرچہ اس طرح کے افراد کم ہوں گے، لیکن وہ موجود ضرور ہوں گے۔

اولاد کی اصلاح کے لئے
چہار طرف کی کاوشوں کا ہونا

۴۴۔ اس کو ایک بڑی فکر جو لاحق ہوتی ہے، وہ اولاد کی اصلاح کی فکر ہے۔ اس لئے کہ موجودہ دور کا ماحول اولاد کی اصلاح کے لئے سب سے زیادہ ناسازگار ماحول ہے۔ اس کے لئے چہار طرف کے بہتر اور سازگار ماحول کی ضرورت ہوتی ہے (۱) گھر کا ماحول بہتر اور پاکیزہ ہو (۲) تعلیمی ماحول بہتر ہو، (۳) دوستوں کا ماحول بہتر ہو، (۴) میڈیا جو شب وروز اس کا ساتھی ہو، موبائل کمپیوٹر اور نیٹ وغیرہ وہ ماحول بہتر ہو۔

جب تک یہ چہار قسم کے ماحول سازگار اور بہتر نہ ہوں، تب تک بچوں کی صحیح سمت میں تربیت واصلاح کا عمل متاثر ہوتا ہے اور ان کے بگڑنے کے امکانات غالب ہوتے ہیں، اگر ان میں سے ایک بھی ماحول خراب ہوا تو بچہ کی سیرت وکردار کی تعمیر میں خرابی کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں۔

تعلیم وتربیت اور سیرت وکردار پر اثر انداز ہونے والا موجودہ ماحول ایسا ہے، جو بچوں کی تعمیر سیرت کو بہت زیادہ خطرہ میں ڈال دیتا ہے، یہ چیز ایسی ہے جو بندہ مومن کو غیر معمولی طور پر متفکر کردیتی ہے۔

دینی مدارس کا مؤثر کردار
اور ان کی بعض کمزوریوں کی نشاندہی

۴۵۔ بندہ مومن کی نظر میں ہمارے دینی مدارس عالمی طاغوت کے مقابلہ میں ایک اعتبار سے قلعہ کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ مدارس معاشرہ کے اسلامی تسلسل کو قائم رکھنے کا ذریعہ ہیں۔ حکومت کے تعاون کے بغیر ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے

تک قال اللہ وقال الرسول کے سلسلہ کو جاری رکھنا اور علمائے دین تیار کرنا، یہ دینی مدارس کا ایسا اہم کردار ہے، جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ لیکن دینی مدارس، مادیت کے عالمی نوعیت کے سیلاب کے مقابلہ کا کسی بھی حد تک رخ موڑنے میں اگر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہیں تو ہماری نظر میں خارجی اسباب کے علاوہ اس کے متعدد داخلی اسباب ہیں۔ ایک اہم سبب یہ ہے کہ دینی مدارس سے وابستہ طلبہ سے علمی کتابوں کے مطالعہ کا رجحان لگ بھگ ختم ہوگیا ہے، چنانچہ دینی اعتبار سے راسخون فی العلم پیدا ہونے میں دشواری کا سامنا ہے۔ ایک بہت بڑے دارالعلوم کے مہتمم صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہمارے مدرسہ میں ہزاروں طلبہ پڑھ رہے ہیں، لیکن مطالعہ کے ذوق کے اعتبار سے طلبہ کی حالت یہ ہے کہ مجھ سے اب تک کسی طالب نے یہ نہیں کہا کہ مدرسہ کی لائبریری میں فلاں علمی کتاب موجود نہیں، اسے منگایا جائے۔

جہاں مدارس میں مطالعہ کی یہ حالت ہو، وہاں علماء سے تفقہ فی الدین اور جدید مسائل میں رہنمائی کی امید رکھنا دشوار تر ہے۔ ضرورت ہے کہ مدارس کے ذمہ دار صاحبان ایسی تدابیر اختیار کریں، جس سے طلبہ میں مطالعہ کا ذوق وشوق ابھرے، ایسا ہونا دشوار نہیں، ضرورت صرف متحرک ہونے اور بہتر تدابیر اختیار کرنے کی ہے، آخر مدارس میں طلبہ دوسرے امور بھی تو سرانجام دے رہے ہیں، آخر مطالعہ کے معاملہ میں سرد مہری کیوں؟ ہماری تاریخ وسیع مطالعہ کے حامل علماء سے بھری ہوئی ہے، جو اپنے اور غیروں کے علوم کے ماہر تھے۔

مدارس کی دوسری کمزوری یہ ہے کہ دور جدید کے فکری، علمی اور نظریاتی چیلنج جس نے دنیا بھر میں بھونچال پیدا کردیا ہے اور ملحد ماہروں کی ٹیموں پر ٹیمیں پیدا کردی ہیں اور ہماری جدید تعلیم یافتہ نسلیں بھی ان ملحدانہ نظریاتی وفکری لہروں سے بُری طرح متاثر ہیں، ہمارے مدارس میں ان نظریات کے تقابلی مطالعہ کا اہتمام نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سلسلہ میں دوچار کتابیں بھی نصاب میں شامل نہیں، جس کی وجہ سے ہمارے علماء

کرام جدیدیت کے حوالے سے نئی نسلوں کے اشکالات کا جواب دینے اور ان سے گفتگو کر کے، انہیں مطمئن کرنے کی صلاحیت سے قاصر ہیں بلکہ اس ناآشنائی کی وجہ سے وہ جدیدیت کی فکری لہروں سے متاثر ہونے کے خطرات سے دوچار ہوتے ہیں جس طرح اس وقت جاوید احمد غامدی صاحب کی جدیدیت کی آمیزش پر مشتمل اسلامی فکر سے دینی مدارس کے فارغ متعدد ذہین افراد متاثر ہو گئے ہیں۔

ہمارے مدارس کی تیسری کمزوری یہ ہے کہ تزکیہ اور ذکر کی اہمیت نہ تو پوری طرح اجاگر ہوتی ہے اور نہ ہی ذکر وتزکیہ کا کام نصاب کی طرح مدرسہ کے نظام کا حصہ بن سکا ہے۔

جدید انسان کا المیہ اور اس کی قابل رحم حالت سے نجات کی صورت

۴۶۔ جدید انسان اس اعتبار سے سب سے زیادہ قابل رحم ہے کہ وہ زندگی کے دوراہے پر حیران وسرگرداں کھڑا ہے، اسے نجات کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا، خوف وہراس، اضطراب، زندگی سے بےزاری، مادی زندگی کے مستقبل کے حوالے سے بےیقینی اور بڑھتے ہوئے ذہنی دباؤ نے دلوں میں کہرام برپا کر دیا ہے۔ خوبصورت گھروں، خوبصورت گاڑیوں، خوبصورت دفتروں اور خوبصورت درسگاہوں میں بیٹھا ہوا انسان حالتِ اداسی میں کسی مسیحا کی تلاش میں ہے کہ وہ آکر اسے مادہ کی بےرحم طاقتوں کی پیدا کردہ اداسی، حرص وہوس کے نہ ختم ہونے والے بتوں اور بےیقینی کی فضا سے نکال کر، سکون وطمانیت کی زندگی نصیب کرے۔

المیہ یہ ہے کہ جدید انسان اپنی زندگی میں بنیادی تغیر وتبدل پیدا کئے بغیر چاہتا ہے کہ اس کے حالات درست ہوں، اور اسے سکون وسکینت کی نعمت عظمیٰ حاصل ہو، وہ مادی مصروفیات کو کم کرنے اور مادی زندگی کی سہولتوں کے سامان میں کمی کے لئے کسی طرح تیار نہیں۔

جب تک قناعت، سادگی اور روح کو اس کی غذا دینے کے لئے وقت نہیں نکالا جائے گا، تب تک اس بحران سے نکلنے کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔

یہ سارا بحران اس لئے پیدا ہوا ہے کہ مادی ماحول کے ہمہ گیر اثرات نے بچپن سے فرد سے اس کی فطرت سلیمہ کا جوہر سلب کر دیا ہے، بچپن سے ہی اسے گھر، سکول اور افراد معاشرہ کے طرز زندگی سے جو سبق ملنا شروع ہو جاتا ہے، وہ مادی زندگی کے مستقبل کو بہتر بنانے کا سبق ہے۔

جب فطرت سلیمہ مسخ ہو جائے، ذہن مادی آلودگیوں سے سرشار ہو جائے، دل، خواہشات نفس کا پیروکار ہو جائے اور فضا میں موجود مادیت کے ہمہ گیر اثرات شخصیت کو مسموم کر دیں تو اس صورت میں سکون کی آرزو کی تکمیل کیسے ہو سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فرد جب تک مصنوعی معیار زندگی، جدید فنون کے حصول کے لئے جنون اور خوبصورت گاڑیوں، خوبصورت بنگلوں اور زیادہ سے زیادہ دولت کے حصول کی جدوجہد کے دائرہ سے باہر نہیں نکلے گا، تب تک وہ سکون کے لئے ترستا رہے گا اور بےسکونی اور روح کا اضطراب اس کی زندگی کو عذاب بنا دے گا۔

مادی دنیا کے سارے سامان کی کل قیمت یہ ہے کہ اس کے بدلے میں انسانی شخصیت زہرناک بن جاتی ہے۔ اس کی مثال فرد کو حاصل اس بہت بڑے کمرے کی سی ہے، جس میں اسے زندگی کی ساری نعمتیں، سہولتیں اور راحتوں کا سارا سامان حاصل ہو، دولت کے انبار موجود ہوں، لیکن ساتھ ساتھ کمرے میں ایک بہت بڑا سانپ بھی موجود ہو، یہ سانپ ایسا ہے، جس پر کوئی ضرب اور مار اثر نہیں کر سکتی، کیا اس طرح کی مادی راحتیں فرد کے لئے نعمت ہیں یا عذاب۔

سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ یہی وہ نکتہ ہے، جسے جدید انسان سمجھنے سے قاصر ہے، وہ طاقتور نفس کے سانپ کی موجودگی میں سکون چاہتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ مادی راحتوں کے سامان سے دستبرداری یا اس میں کمی کیسے ممکن ہے، اس لئے کہ ساری دنیا کا ہدف اور دستور یہی ہے۔ دنیا کے دستور سے ہٹ کر مادی جدوجہد میں کمی کیسے ہو سکتی ہے۔

نیز کفایت شعاری، سادگی اور مادی زندگی کی سہولتوں میں کمی اور مادی ترقی کے حصول کی جدوجہد میں کوتاہی تو دنیا واہل دنیا اور عزیز واقارب سے بغاوت کے مترادف ہے۔ یہ بغاوت کس طرح ممکن ہے۔

اس نقطہ نگاہ اور اس رجحان کا واضح مطلب یہ ہے کہ داخلی زندگی میں خوف

وہراس، اضطراب، بے یقینی، اور خوداعتمادی کے بحران جیسی ہولناک بیماریاں قبول ہیں، لیکن مادی زندگی اور مادی ترقی کے حصول کی جدوجہد میں کمی پسند نہیں۔

جب تک انسانی شخصیت کے بارے میں اس اہم نکتہ کا ادراک حاصل نہ ہوگا، اس وقت تک فرد وافراد کے لئے بے یقینی، خوف ہراس اور مادی مستقبل کے بارے میں اضطراب ومایوسی سے بچنا ممکن نہیں۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ انسانی شخصیت میں موجود اصل شخصیت جسے روح کہیں یا خودشعور ہستی، اس نے ایک بار عالم امر میں حسن کی خالق ہستی کا مشاہدہ کیا ہے، اب یہ خودشعور ہستی یا روح انسان کے ظاہری جسمانی ڈھانچہ میں مستور ہے، یہی ہستی انسانی شخصیت کی زندگی کا سبب ہے اور اسے زندہ رکھے ہوئی ہے اس ہستی کے نکل جانے سے انسان مردہ لاش کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

یہ خودشعور ہستی یا روح اس دنیا میں محبوب کے حسن کا مشاہدہ چاہتی ہے، اس دنیا میں مادی قوتوں کی موجودگی میں اس کے لئے یہ مشاہدہ ممکن نہیں، تاہم فرد کے حسن کے بیشتر جذبات واحساسات کی تسکین، حسن کی خالق ہستی کے ذکر کے تکرار سے اسے بڑی حد تک حاصل ہوسکتی ہے، ذکر کے اسی تکرار سے اس کی شخصیت سے پاکیزہ اعمال اور صالح اعمال بھی صادر ہوں گے۔ ذکر کی یہی تکرار مادی دنیا کے حوالے سے اس کی فریفتگی ووارفتگی کے احساسات کو کالعدم کردے گا، ذکر کی تکرار سے اس کی داخلی شخصیت میں موجود سارے خلا ازحد دور ہوجائیں گے۔

روح، جب حسن کی خالق کے ہستی کے حسن سے بہرہ ور ہوگی اور جب سکون وسکینت سے سرشار ہوگی تو اس حسن اور اس سکینت کے اثرات دل، دماغ، اور نفسیات کی طرف ازخود منتقل ہوں گے، جس سے فرد وافراد کے سارے جذبات واحساسات کی تسکین کی صورت پیدا ہوگی، اس طرح فرد وافراد داخلی بحران سے نکل کر، انسانیت کے شایانِ شان زندگی گزارنے کے قابل ہوں گے۔

اچھے خاصے لوگوں کی طبیعت کچھ ایسی بن گئی ہے کہ محبوب کے حسن سے بہرہ ور ہوکر، روح کو اس کی اصل غذا دینے کے حوالے سے وہ سو بہانے تراشنے لگتے ہیں کہ موجودہ مصروفیات کے دور میں ذکر وفکر کے لئے وقت کہاں سے نکالا جائے؟ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ فرد اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم، زیادہ سے زیادہ مادی سہولتوں کے سامان کی فراہمی کے لئے تو فیاضی سے وقت نکالتا ہے اور اس وقت نکالنے میں وہ تکلیف واذیت

محسوس نہیں کرتا، لیکن روح کی تسکین اور محبوب کے حسن کے اجزاء سے بہرہ وری کے لئے اس کے پاس وقت نہیں۔

ایسا انسان، جو محبوب حقیقی (جو اس کا سب سے بڑا محسن بھی ہے) کے لئے وقت نکالنے کے لئے تیار نہیں اور رسمی عبادت پر اکتفا کرنا چاہتا ہے، اس کی روح پیاسی رہے گی۔ روح کی اس پیاس سے وہ جتنا بھی ذہنی دباؤ، خوف وہراس، بے یقینی، اداسی اور داخلی بحران سے دوچار ہو، کم ہے۔

المیہ یہ ہے کہ مادی سرگرمیوں اور مادی زندگی کے جنون نے فرد سے اس نکتہ کے سمجھنے کی صلاحیت سلب کردی ہے۔ ایسے الفاظ، ایسی تاثیری زبان اور ایسا قلم کہاں سے لایا جائے، جس سے جدید انسان کی اس قابل رحم حالت کو دیکھکر، اس کے لاشعور میں یہ بات جاگزیں کی جائے۔ دنیا واہل دنیا سے مرعوبیت ایسی چیز ہے، جو افراد کو زندگی بھر سنبھلنے کا موقعہ فراہم نہیں کرتی۔

فرد کا یہ عذر ہرگز قابل قبول نہیں کہ روح کو غذا دینے کے لئے ذکر وفکر کا وقت نہیں، کیا اس کے پاس آرام کے لئے آٹھ گھنٹے کا وقت نہیں۔ کیا وہ مادی سرگرمیوں کے لئے آٹھ دس گھنٹے نہیں نکالتا، کیا اس کے پاس کھانے کے لئے وقت نہیں۔ جب ان ساری چیزوں کے لئے اس کے پاس وقت موجود ہے تو آخر روح کو قیامت خیز اضطراب سے بچانے کے لئے ۲۴ گھنٹوں میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ وقت نکالنا کیوں ممکن نہیں۔

حضرت انسان، بہانا بنانا چھوڑ دے، جنتی زندگی کے عکس والی زندگی کی طرف آجاؤ، تمہارے لئے سکون وسکینت کے سارے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور تمہارا برباد شدہ سکون بحال کر کے، تمہیں لازوال حسن کے اجزاء سے بہرہ ور کیا جائے گا، مادہ پرستی اور نفسی قوتوں کو جھٹک دے اور سعادت دارین کی اس راہ پر گامزن ہوجا۔

جدیدیت کی مادی لہروں سے متاثر اے عزیز، اہل مغرب، جنہوں نے خدا اور روح کے تقاضوں کو فراموش کر کے، بلکہ ان کا انکار کر کے، مادیت اور خوشحال مادی زندگی کو مقصود ومعبود کی صورت دی ہے، ان کا حشر ہمارے لئے باعث عبرت ہے، وہ شراب، زنا، خنزیر کے گوشت کے استعمال، جنس زدگی اور مادی کثافتوں کی دلدل میں اس طرح پھنس گئے ہیں کہ اس سے نکلنا ان کے لئے ممکن نہیں۔ اس کی وجہ سے ان کی گھریلو اور خاندانی زندگی تباہ ہے، بلکہ یورپ کے سب سے زیادہ خوشحال ملک سویڈن (جہاں

ریاست کی طرف سے خوشحال زندگی کی ضمانت ہے) اس کی حالت یہ ہے کہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ خودکشی کی واردات وہاں ہورہی ہیں۔ خوشحال مادی زندگی پر فریفتہ افراد کے لئے سویڈن کی مثال عبرتناک ہے۔

عزیزم! تم سے ہمارا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ تم مادی زندگی سے دستبردار ہوجاؤ، بلکہ ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ تم خوشحال مادی زندگی کو اپنے اوپر مسلط نہ ہونے دو، اسے حاوی نہ ہونے دو، اس کے جنون میں مبتلا نہ ہو، روزانہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ ضرور نکالو، جس میں تنہائی میں محبوب حقیقی سے راز ونیاز میں مصروف ہو، اس کے ساتھ اپنی محبت کے جذبات کو فروغ دو، اور ذکر وفکر کے ذریعہ روح کو غذا دینا شروع کردو، ایسا کرنے سے تم دیکھوگے کہ آہستہ آہستہ تمہیں ایک پاکیزہ زندگی حاصل ہونا شروع ہوگی۔ ایسی پاکیزہ زندگی جس پر سو مادی زندگیاں فدا ہوں۔

آخر میں یہ بات عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ صحیح ہے کہ مادہ پرستی کے ہمہ گیر اور ہمہ جہتی فضا میں ذکر وفکر کے ذریعہ اللہ سے تعلق مستحکم کرنے کا کام یقیناً دشوار گذار ہے، معاشرے کی طرف سے ہونے والی مزاحمت کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے، لیکن اگر حقیقی اہل اللہ سے اپنے دل کا رشتہ منسلک کیا جائے اور ان سے مستقل صحبت اور رابطہ کی صورت پیدا کی جائے تو یہ دشوار گذار کام آسان ہونا شروع ہوجاتا ہے، اس لئے کہ ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں کی وجہ سے اہل اللہ کا دل اللہ کی محبت سے لبریز اور گرم ہوتا ہے۔ ان سے تعلق کے نتیجہ میں جب دل میں اللہ کی محبت کے اجزاء داخل ہونا شروع ہوجاتے ہیں تو ذکر وفکر کی راہ میں حائل دشواریاں دور ہوجاتی ہیں۔

روح کو لاحق بیماریاں
اور افراد معاشرہ پر اس کے اثرات
ایک نظر میں

۴۷۔ انسانی شخصیت میں اصل محرک اور متحرک قوت روح کی ہے، جب روح بیمار ہوجاتی ہے تو پورا جسمانی نظام بالخصوص دل، دماغ اور نفسیات فساد سے دوچار ہوجاتے ہیں، روح کی یہ بیماری جو بظاہر ہمیں نظر نہیں آتی، لیکن روحانی ماہرین (جنہیں ہم اہل اللہ کہتے ہیں) وہ روح کی بیماری، اس کے اثرات ونتائج اور اس بیماری کی وجہ

سے پورے جسمانی نظام میں پیدا ہونے والے فساد کو پوری طرح سمجھتے ہیں۔ ان میں یہ صلاحیت پوری طرح موجود ہے کہ وہ افراد کو ان بیماریوں سے نجات دلاکر، ان کی شخصیت میں توازن واعتدال پیدا کرسکیں اور شخصیت میں موجود زبردست خلا کو پُر کرکے، اس کو معنوی حسن اور حقیقی حسن کے احساسات سے سرشار کرسکیں۔

لیکن چونکہ مادیت کے غلبہ کی وجہ سے لوگ عام طور پر روح کو درپیش بیماریوں اور اس کے نتیجہ میں شخصیت میں پیدا ہونے والے فساد کی نوعیت کو نہ تو سمجھتے ہیں اور نہ ہی سمجھنا چاہتے ہیں، اس لئے معاشرہ میں روحانی بیماریاں تیزی سے بڑھتی جارہی ہیں، اس کی وجہ سے معاشرہ نفسیاتی مریضوں کے معاشرے میں تبدیل ہورہا ہے۔

مغربی معاشرہ تو خدا اور روح کے انکار کی وجہ سے نفسیاتی نوعیت کی بیماریوں میں جکڑ چکا ہے۔ ہمارا معاشرہ بھی مغرب کی تقلید میں تیزی سے اسی طرف جارہا ہے۔

روح کی بیماری کے نتیجہ میں فرد جس طرح کے فساد سے دوچار ہوسکتا ہے، اسے اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔ خوف وہراس، اضطراب، بے یقینی، مستقبل کے حوالے سے غیر معمولی فکرمندی، بلکہ مایوسی کا ہونا، ہر معاملہ کے مثبت پہلوؤں کے بجائے منفی پہلوؤں کا غالب ہونا، وسوسوں اور تفکرات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ، خود اعتمادی سے محرومی، احساس کمتری یا احساس برتری کا شکار ہونا، مادی نفع ونقصان کے خطرات سے دل کا زیروزبر ہونا، دل کا ہر وقت دولت اور دنیا پر اٹک جانا، بلکہ دل کا دولت کے لئے ہر وقت دھڑکتے رہنا اور اس پر مجنون وار گرنا، دوسرے لوگوں سے خطرہ محسوس کرنا، یا ان سے بیزاری کا ہونا، بات بات پر اشتعال میں آجانا، مزاج کے خلاف باتوں کو برداشت کرنے کے حوصلہ کا ختم ہوجانا، مادی اور دنیاوی مفادات کو مقصود کی حیثیت دینا، آخرت کی فکر سے بے پرواہی وبے نیازی کا ہونا، جنسی جذبات کا بے قابو ہونا، سنگ دلی، قساوت قلبی اور بے رحمی کا ہونا، اپنی ہی فکر میں گم رہنا، اپنے عزیز واقارب سے عدم تعلق کا ہونا، شفقت ورحم دلی کے جذبات سے محروم ہونا، عبادت اور ذکر واذکار سے طبعی مناسبت کا پیدا نہ ہونا اور زیادہ سے زیادہ رسمی نوعیت کی عبادت کا ہونا، اللہ سے والہانہ محبت کرنے کی باتوں سے ناگواری کا ہونا اور اس طرح کی باتوں کو اگلے لوگوں کا قصہ سمجھنا، لوگوں سے معاملات کے وقت اپنے مفادات کو پیش نظر رکھکر، انہیں نقصان پہنچانے کے لئے کوشاں ہونا، بلکہ لوگوں کو اذیت پہنچانے کے مزاج کا راسخ ہونا، اپنے

دوستوں، ساتھیوں اور عزیز واقارب کے حوالے سے ہونے والی گفتگو کے دوران ان کی غیبت اور تحقیر کرنا، اپنی ذات کے علاوہ سب کو خامیوں اور کوتاہیوں کا مجسمہ سمجھنا، زندگی کے معاملات میں اللہ کی ذات پر بھروسہ کے فقدان کا ہونا، چہرہ کا حقیقی مسکراہٹ سے خالی ہونا، اذیت ورنجیدگی کے احساسات کا غالب ہونا، دنیا کے جہنمی احساسات کا غالب ہونا، لوگوں کی جیبوں پر نظر رکھنا اور ان سے لوٹ مار کے ذریعہ پیسہ کمانے کی فکرمندی کا غالب ہونا، پاکیزہ انسانی جذبات واحساسات سے خالی ہونا، سیرت وکردار میں مسکین سے مسکین تر ہونا، اللہ کی غریب مخلوق کی مدد کو تاوان سمجھنا، آخرت کی زندگی میں پیش آنے والے حالات سے آخری حد تک غافل ہونا، دنیا میں معمولی سہولتوں اور راحت کے معمولی سامان کی کمی سے دل میں چیخ وپکار وشدید اضطراب کا ہونا وغیرہ وغیرہ۔

یہ ساری خرابیاں ایسی ہیں، جو صرف اور صرف روح کی بیماری کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں اور بڑھتی ہیں، ان بیماریوں کو نفسیاتی نوعیت کی بیماریاں سمجھکر، نفسیاتی ماہرین کی طرف رجوع کرنا حماقت درحماقت ہے۔

یہ ساری روحانی بیماریاں ایسی ہیں، جو روح کو اس کی مطلوبہ غذا دینے کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ ازخود دور ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ پیٹ کو غذا دینے کے لئے تو تیار ہے۔ جنسی تسکین کے لئے شادی کو ناگزیر سمجھتا ہے، جسمانی بیماری کے وقت ڈاکٹر سے علاج کرائے بغیر نہیں رہ سکتا، لیکن روح کی جو بیماری فرد اور معاشرہ کو فساد سے بھر دیتی ہے، روح کی اس بیماری کو بیماری سمجھکر، اس کے علاج کے لئے کسی طرح تیار نہیں، اگر کوئی فرد تیار بھی ہے تو وہ مسلم ماہرین نفسیات یعنی اہل اللہ کی تجویز کردہ دوا کو استعمال کرنے اور ان سے مستقلاً علاج کے لئے تیار نہیں ہے۔

افراد معاشرہ کا یہی وہ المیہ ہے، جس نے فرد کی داخلی شخصیت اور اس کے نتیجہ میں گھریلو، خاندانی، ومعاشرتی وریاستی زندگی کو ہولناک فساد سے دوچار کردیا ہے۔ اس لئے کہ روحانی امراض کے شکار افراد سے سلیقہ، شائستگی، حکمت، بصیرت، رحم دلی، شفقت، حقیقی انسانیت نوازی اور محبت کے اوصاف سلب ہوجاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ علم کی بہتات کے باوجود افراد معاشرہ کی یہ حالت کیوں ہے اور

وہ تیزی سے نفسیاتی امراض اور طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں کا شکار کیوں ہورہا ہے، اور علم وذہانت اور دنیاداری کے تجربات ومشاہدات اس معاملہ میں اس کی رہنمائی کرنے سے قاصر کیوں ہیں؟ یہ بڑا اہم سوال ہے، جس پر یہاں تفصیلی گفتگو تو مشکل ہے، ایک آدھ نکتہ پیش کیا جاتا ہے۔

جس طرح جسم کو لاحق بیماریاں جب سنگین ہوجاتی ہیں تو ان کے علاج کے لئے تجربہ کار ڈاکٹروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی حالت روحانی بیماریوں کے سلسلہ میں بھی ہے جب روح کو طویل عرصہ تک اس کی حقیقی خوراک یعنی ذکر وفکر کے ذریعہ محبوب کے انوارحسن سے فیضیابی کی خوراک نہیں ملتی تو روح سنگین نوعیت کی بیماریوں کا شکار ہوجاتی ہے، وہ شدید مشتعل ہوجاتی ہے، نیز روح پر نفس کی قوت غالب آجاتی ہے، روح پر نفس کی قوت کے غلبہ کی وجہ سے انسانی شخصیت حیوانی صفات سے عبارت ہوجاتی ہے۔

جس طرح حیوان کا مقصد کھانا پینا، اپنے حصہ کا کام کرنا، سونا اور مرجانا ہے۔ روح کی بیماری بلکہ صحیح معنیٰ میں روح کی مردگی اور روح پر نفس کے غلبہ کے نتیجہ میں یہی کچھ انسان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس میں حقیقی انسانی صفات پیدا نہیں ہوپاتی۔

دوسرا نکتہ جسے سمجھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ جدید علوم جن کے زیراثر ہماری جدید نسلوں کی ذہنی نشوونما ہوتی ہے، اس کی بنیاد میں خدا اور روح کے انکار کے زہریلے اثرت شامل ہیں۔ مغرب نے اپنے نظام تعلیم میں اپنے ہزاروں ملحد فلاسفروں کی ملحدانہ فکر کی روح کو شامل کیا ہے۔

مغرب کی اس ملحدانہ فکر کو مشہور مغربی فلاسفر برٹرینڈرسل نے ان سب کی ترجمانی کرتے ہوئے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

’’انسان جن اسباب کی پیداوار ہے، اس کا پہلے سے سوچا سمجھا منصوبہ نہیں ہے، انسان کی ابتداء، اس کی نشوونما اور اس کی تمنائیں، اس کے اندیشے، اس کی محبت اور اس کے عقائد سب ایٹمی اتفاقی ترتیب کا نتیجہ ہے۔‘‘

’’انسان کی آخری منزل قبر ہے اور پھر کوئی چیز بھی اس کو زندگی عطا نہیں کرسکتی، بہترین احساسات، عبقریت کے روشن کارنامے نظام شمسی کے ساتھ فنا ہونے والی چیزیں ہیں۔‘‘

اس ملحدانہ نظام تعلیم کے زیراثر ہمارے ہاں جو نسلیں تیار ہورہی ہیں، اگرچہ وہ

خدا اور روح کی اس انداز سے منکر نہیں ہیں، جس طرح مغربی انسان منکر ہے، لیکن اس نظام تعلیم سے فارغ ہونے والے افراد عام طور اللہ، رسول، قیامت اور روح کی زندگی کو اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں، ان پر مادیت کا جنون سوار ہوتا ہے، وہ اعتقادی طور پر اللہ کو ماننے کے باوجود اللہ کی مخلصانہ عبادت اور اس کی سچی اطاعت کی طرف آنے کے لئے تیار نہیں، وہ روح کو اس کی کم سے کم غذا دینے پر بھی نہ صرف آمادہ نہیں ہے، بلکہ روح کو غذا دینے کی بات پر وہ جھنجھلاہٹ اور تردد کا شکار ہوجاتا ہے۔

پھر مغربی علوم دراصل علوم نہیں بلکہ فنون ہیں، جو روزی کے حصول اور دنیا کمانے کا ذریعہ ہیں۔ اصل علم تو وہ ہے، جس سے اللہ کی معرفت، اس کی شان عظمت اور اس سے خشیت پیدا ہو، **إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ** . اللہ کے بندوں میں اللہ سے خشیت اختیار کرنے والے علماء ہی ہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی علم وہی ہے جس سے اللہ کی خشیت پیدا ہو۔

چونکہ مغربی علوم وفنون کے زیر اثر جدید تعلیمی اداروں سے وابستہ افراد میں خشیت ومعرفت کی طلب ختم ہوجاتی ہے، اس لئے دنیا کو بہتر سے بہتر بنانے کے میلانات ورجحانات ان پر غالب آجاتے ہیں اور ان کی ساری توانائیاں مادی زندگی ہی میں خرچ ہوجاتی ہے، جس سے روح شدید پیاسی ہوجاتی ہے، اور روح کی پیاس ہی سے وہ سارے مسائل اور سارا فساد پیدا ہوتا ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔

ذکر کی بعض اہم خصوصیات

۴۸۔ ذکر کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے خوف وحزن، مستقبل کے بارے میں تشویش، زندگی سے بیزاری، اضطراب اور بے یقینی کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور فرد میں زندگی کی ایک نئی رَو شروع ہوجاتی ہے اور اسے ایک نئی زندگی مل جاتی ہے، جو خوشی، حلاوت اور خوداعتمادی سے سرشار زندگی ہوتی ہے۔

ذکر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ کمزور سے کمزور فرد کو بھی اٹھا کر کھڑا کر دیتا ہے اور خواب غفلت سے اٹھا دیتا ہے، اس میں حوصلہ وہمت پیدا کر دیتا ہے اور زندگی کے معاملات سرانجام دینے کی بہتر صلاحیت عطا کرتا ہے۔

ذکر اپنے ساتھ نور لاتا ہے، یہ نور آہستہ آہستہ قلب کی گہرائیوں میں داخل ہوکر،

قلب کو اس نور سے سرشار کر دیتا ہے، جس سے فرد میں حکمت اور نور بصیرت پیدا ہوتی ہے اور دنیا کا مکر وفریب اس کے دل پر آشکار ہونے لگتا ہے اور اس میں اتنی استعداد پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ ایسی ساری چیزوں سے بچنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، جس سے اس کی قلبی بصیرت مدھم ہوتی ہو اور اللہ سے قرب کے تعلق میں کمی ہوتی ہو۔ ذکر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ فرد میں نفس سے معرکہ آرائی کر کے، اسے اللہ کی اطاعت میں دیدینے اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے کی اس کی نفسیات میں پختگی پیدا ہوجاتی ہے۔

ذکر، تاریکی کی ساری قوتوں وہ چاہے شیطان کی صورت میں ہوں، مادیت کی صورت میں ہوں یا نفس کی صورت میں، ان سب سے جنگ جوئی کی صلاحیت کو ابھارتا ہے، بالآخر فرد، اللہ کے ذکر کے نور کی بدولت تاریکی کی ان ساری قوتوں کو مات دینے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

ذکر، فرد میں انسانی جوہروں کو اجاگر کرتا ہے، جس کی وجہ سے فرد، معاشرہ کے دوسرے افراد کے لئے باعث خیر اور باعث شفقت بن جاتا ہے، ذکر فرد کو اللہ سے قریب کر دیتا ہے، ''**فَاذْكُرُونِیْ أَذْكُرْكُمْ**'' (تم میرا ذکر کرو تو میں تمہارا ذکر کروں) ذکر سے اللہ سے قرب کے ان مقامات میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔

یقیناً نماز اور تلاوت قرآن بھی ذکر میں شامل ہے اور اس کا اہتمام انتہائی ناگزیر ہے، بالخصوص منتہی فرد کی بیشتر ترقی نماز اور تلاوت قرآن ہی سے ہوتی ہے لیکن مبتدی ومتوسط فرد، جس پر نفسی قوتیں غالب ہوتی ہیں، ان کی ساری ترقی کثرت ذکر سے وابستہ ہوتی ہے، چونکہ ان کا دل ذکر سے خالی ہوتا ہے، اس لئے ان کی نماز روح سے خالی ہوتی ہے، دنیا کے سارے خیالات نماز میں آکر اسے پریشان کر دیتے ہیں اور اس کے ذہن میں موجود باتیں بھی اسے نماز ہی میں یاد آتی ہیں، سبب یہ ہے کہ دل ذکر سے خالی ہوتا ہے، جب دل پر ذکر کی محنت ہوتی ہے تو نماز میں روح پیدا ہوجاتی ہے، خشوع خضوع آجاتا ہے، اور نماز، اللہ کے استحضار کا ذریعہ بن جاتی ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ نماز، ذکر کی کم سے کم خوراک ہے، جب کہ ہم سے مطالبہ کثرت ذکر کا ہے۔

قرآن کی تلاوت کے بارے میں بھی یہی ہے کہ اس کا روزانہ کا معمول ضروری

ہے، لیکن قرآن سے رقت، خشیت اور اخذ فیض کی صلاحیت اس وقت پیدا ہوگی، جب کثرت ذکر سے دل، نفس کی آلودگیوں اور اس کی گرفت سے آزاد ہوگا۔

ذکر کی ان ساری خصوصیات کے باوجود ذکر کو اہمیت نہ دینا، اور اس کے بارے میں پہلے سے یہ ذہن بنانا کہ ذکر خاص لوگوں کا کام ہے، ہمارے لئے ذکر ضروری نہیں ہے، ہماری اصل عبادت تو فرض نماز کے بعد روزی کے حصول کی جدوجہد ہے، روزی کے حصول کی جدوجہد سے انکار نہیں ہے، لیکن روزی دینے والی ہستی سے ذکر کے ذریعہ تعلق مستحکم ہوئے بغیر روزی میں برکت کیسے پیدا ہوگی، اور روزی کی جدوجہد کے دوران فرد ''**هَلْ مِن مَّزِيدٍ**'' کی حرص سے کیسے بچے گا؟ اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ایک تو ذکر سے محرومی کی نفسیات غالب ہوجاتی ہے اور جب بھی ذکر کی بات ہوتی ہے یا اس کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو اس طرح کے افراد میں ضد اور چڑ کی حالت پیدا ہوجاتی ہے، اس طرح ایسے افراد ایک تو دورانِ کاروبار نئے نئے نقصانات اور بحرانوں سے دوچار ہوکر، روزی کی برکات سے محروم ہوتے ہیں، دوم یہ کہ ان کے لئے ذکر کا دروازہ بند کردیا جاتا ہے، کتنی محرومی کی بات ہے، سنبھلنے اور بیدار ہونے کی ضرورت ہے، یاد رکھیں کہ ذکر، معاشی جدوجہد کی راہ میں حائل ہرگز نہیں، بلکہ اس جدوجہد میں اللہ کی مدد کو شامل کرنے کا ذریعہ ہے، چوبیس گھنٹوں میں ایک گھنٹہ ذکر کے لئے نکالنے سے معاشی سرگرمیاں کیسے متاثر ہوں گی؟ بلکہ ذکر سے فرد برکت کے ایسے نظام میں شامل ہوجاتا ہے، جس سے اس کے رزق، اس کے وقت اور اس کے علم وذہانت میں برکت پیدا ہوجاتی ہے۔

اس لئے قرآن میں فرمایا گیا: **فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** . (الجمعہ آیت ۱۰) (پھر جب نماز پوری ہوچکے تو زمین میں اللہ کے فضل یعنی روزی کی تلاش میں پھیل جاؤ، اور اللہ کا ذکر کرو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو) اسی طرح قرآن میں ان مومنوں کی تعریف کی گئی ہے، جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی، ''**رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ**''

حقیقت یہ ہے کہ جب تک ذکر کے حوالے سے اپنے ذہنی سانچہ کو قرآن کے بیان کردہ سانچہ سے ہم آہنگ نہیں بنایا جائے گا اور ذکر کو اہمیت دینے کا عمل شروع نہ

ہوگا، تب تک فرد بے یقینی، خوف وہراس، دنیا کے مستقبل کے حوالے سے اضطراب اور مادیت کی دلدل سے نکل سکے، مشکل ہے۔

دولت کی زیادتی سے پیدا ہونے والی بعض خرابیاں

۴۹۔ کثرت دولت عام طور پر اپنے ساتھ جو خرابیاں لاتی ہے، وہ ایسی خرابیاں ہیں، جس سے مزاج میں فساد کی آمیزش شامل ہوجاتی ہے، قرآن واحادیث میں کثرت دولت کے حصول کی جدوجہد سے ممانعت کی گئی ہے، نیز آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے والوں کے لئے جہنم کی وعید سنائی گئی ہے، **فَأَمَّا مَن طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ** .

البتہ تہذیب نفس اور تزکیہ نفس کے قابل ذکر حد تک مراحل طے ہونے کے بعد اگر دولت حاصل ہو تو فرد کے لئے اس کی خرابیوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوجاتی ہے، بلکہ اس صورت میں دولت، نیکیوں کے حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے، اور فرد خیر وخیرات کرنے اور دینی کاموں میں دولت کے استعمال کی وجہ سے آخرت میں اپنے لئے پونجی جمع کرنے لگتا ہے۔ ایک نوعمر مغربی عورت جسے لاٹری کے ذریعہ انعام میں لاکھوں ڈالر ملے، دولت آجانے کے بعد اس نے اپنے مشاہدہ کی بنا پر دولت کی جن خرابیوں کی نشاندہی کی ہے، وہ یہ ہیں۔

عیش وعشرت میں مبتلا ہونا، اپنے آپ کو عقل کل سمجھنا، یعنی ذہنی برتری کے مرض میں مبتلا ہونا، غریبوں کو حقیر وذلیل سمجھنا، ذہن کا پراگندہ ہونا، دوسروں کی مدد کے سلسلہ میں بخیل ہونا، دوسروں کی خیرخواہی کی باتوں کو احساس برتری کی وجہ سے مسترد کرنا، اپنے دوستوں اور عزیزوں میں حاسدوں کو پیدا کرنا، وغیرہ شامل ہے۔

یہ خرابیاں ایسی ہیں، جو کثرت دولت کی خصوصیات اور اس کے لازمی نتائج ہیں، اس لئے بندہ مؤمن ضرورت سے زیادہ دولت کے حصول میں اپنا قیمتی وقت صرف کرنے کا متحمل نہیں ہوتا، ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ اگر مجھے دنیا بھر کی دولت دی جائے اور یہ کہا جائے کہ اس کا تم سے آخرت میں کوئی حساب نہ ہوگا، تو مجھے یہ دولت ہرگز قبول نہ ہوگی، اس لئے کہ دولت کے حصول سے توجہ الی اللہ متاثر ہونے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

دولت کی مذکورہ نوعیت کی ساری خرابیوں کے باوجود بدقسمتی کی بات ہے کہ لگ بھگ معاشرہ کا ہر فرد کثرت دولت کے جنون میں مبتلا ہے اور اس کے لئے ہر ممکن حد تک ہاتھ پاؤں مارنے لگتا ہے۔

تجربہ یہی ہے کہ بہتر گاڑی اور بہتر بنگلہ آجانے کے بعد فرد احساس برتری کے شدید مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے اور وہ اپنے غریب عزیزوں سے کٹ جاتا ہے اور اس کی نفسیات میں اتنا فساد پیدا ہوجاتا ہے کہ اصلاح کی بات اس پر اثر انداز ہی نہیں ہوتی۔

مغربی تہذیب سے مرعوبیت کی المناک روش

۵۰۔ ہمارے مذہبی وغیر مذہبی خوشحال لوگوں میں ایک بڑا خبط جو عرصہ سے پیدا ہوگیا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کے مادی مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے انہیں مغربی ممالک کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخل کراتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اس طریقے سے مغرب کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کی ڈگری سے انہیں پاکستان میں بہتر سے بہتر ملازمت ملنے میں آسانی پیدا ہوگی، ہماری نظر میں مسلم امت کے خوشحال افراد کا یہ رویہ ایسا ہے، جو اپنی اولاد کو مغربی فکر اور مغربی تہذیب کے حوالے کرنے کے مترادف ہے، اس لئے کہ خالی ذہن اور اسلامی اعتبار سے غیر ترتیب یافتہ نوجوان جب مغرب کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تربیت پاتے ہیں، تو اس کا لازمی نتیجہ (جو عام طور پر نکلتا ہے) وہ یہ ہے کہ اپنی پاکیزہ تہذیب پر ان کا اعتماد ختم ہوجاتا ہے، اور مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور اہل مغرب کے مہذب ہونے کی ان کی ذہنیت ونفسیات میں پختگی آجاتی ہے، وہ دوران تعلیم وہاں دوچار سال رہیں یا ایک سال، اس دوران ان کی اس طرح برین واشنگ ہوجاتی ہے کہ وہ ذہنی طور پر مغرب ہی کے ہوجاتے ہیں، وہ زندگی بھر اہل مغرب کے گن گانے لگتے ہیں، اور ان کی ذہنی اور فکری غلامی سے آزاد نہیں ہو پاتے۔

بہت ہی کم نوجوان ایسے ہوتے ہیں (جن کی مذہبی تربیت بہتر ہوتی ہے) وہ مغربی تہذیب کی یلغار سے بچنے میں کامیاب ہوتے ہیں، ورنہ عام طور مغربی تعلیمی اداروں کے سند یافتہ نوجوان اس مادہ پرست تہذیب پر فریفتہ ہوکر واپس آتے ہیں، اس اعتبار سے مسلم معاشرے اور اسلامی اقدار سے ان میں طبعی طور پر بیزاری پیدا ہوجاتی ہے، اس طرح اعلیٰ مغربی تعلیمی اداروں کی ڈگریاں ہماری نوجوان نسل کے لئے زندگی

نہیں، بلکہ موت کا پروانہ ثابت ہوجاتی ہیں، دنیا کے چند دنوں کے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے اپنی اولاد کی دائمی زندگی کو داؤ پر لگانا اور ان کی مادہ پرستی پر مشتمل تہذیب کے مزاج کو مستحکم کرنے کا ذریعہ بننا بہت نقصان کا سودہ ہے، بلکہ سب سے بڑا خسارہ ہے۔

بالخصوص ہمارے خوشحال مذہبی افراد کو بظاہر اس کا ادراک نہیں ہوتا، لیکن وہ اگر اس طرح کی اپنی اولاد کے ذہن ومزاج کا تنقیدی جائزہ لیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ آیا یہ تو اپنی پاکیزہ اسلامی تہذیب کو حقیر سمجھنے اور مغربی تہذیب کو انسانیت کے لئے سب سے بہتر تہذیب سمجھنے کی نفسیات ومزاج کے حامل بن چکے ہیں۔

اس طرح مادی خوشحالی کے حامل مسلم معاشرہ کے افراد اپنی اولاد کو غیر شعوری طور پر مغرب کی مادہ پرست تہذیب کے حوالے کرنے کے ذمہ دار بن جاتے ہیں، اس گناہ کی وجہ سے وہ آخرت میں اللہ کے عتاب سے بچ سکیں، مشکل ہے۔

مغربی تہذیب، اسلامی تہذیب کے بالکل مدمقابل ہے، وہ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتی ہے، دین ومذہب کو مسترد کرکے، زندگی کے سارے فیصلے مادی عقل کے ذریعہ ہی کرنے کی علمبردار ہے، مغرب کے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے فارغ ہماری نوجوان نسل، زندگی کے بارے میں مغرب کے اس نکتہ نگاہ کو صحیح سمجھنے لگتی ہے، اس طرح وہ بظاہر مسلم معاشرہ کا حصہ ہوتی ہے، لیکن بباطن مادہ پرست مغربی تہذیب اور اس کی مادی فکر کی حامل ہوتی ہے۔

اس المیہ پر سوائے اس کے کہ خون کے آنسو بہائے جائیں، اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب دولت آجاتی ہے تو فرد عدم ذہنی توازن کا شکار ہوجاتا ہے اور اس کی نظر میں اجتماعی ومعاشرتی معاملات کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی اہمیت باقی نہیں رہتی، دولت کا نشہ اس پر غالب ہوکر، اسے اس طرح کے فیصلہ کرنے کی راہ پر گامزن کرتا ہے اور اس سلسلہ میں وہ علماء وصلحاء کی نصیحت کی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اس طرح سے وہ اپنی اولاد کو اپنی پاکیزہ اسلامی تہذیب کے دائرہ سے نکالنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے خوشحال مذہبی خاندان کے افراد کو عقل سلیم عطا فرمائے، تاکہ وہ اپنی اولاد کے مادی مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے انہیں مادہ پرست

تہذیب کے حوالے کرنے اوراس تہذیب پر فریفتہ کرنے کا ذریعہ بننے سے بچیں۔

مالداروں کی سنگ دلی پر
خون کے آنسو بہانا

۵۱۔کسی بھی قوم اور ملک کے باعزت لوگوں کے لئے یہ بات باعث شرم اور باعث ندامت ہونی چاہئے کہ وہ اور ان کی اولاد تو عیش وعشرت کے ساتھ زندگی گذارے اور کروڑوں اربوں روپوں سے دل بہلاتی رہے، اور دولت پر سانپ بن کر بیٹھی رہے، جب کہ اس ملک کی کروڑوں کی آبادی نانِ شبینہ کی محتاج ہو۔کیا ہمارے خوشحال طبقات کے پاس وہ دل ہے، جس سے وہ اس نکتہ کا استحضار کریں، کیا ان کے پاس وہ کان ہیں، جن سے وہ ملک وقوم وملت کی اس سب سے المناک حقیقت کو سن سکیں، کیا ان کے پاس وہ آنکھیں ہیں، جن سے وہ زندگی کے وسائل سے محروم کروڑہا افراد کی حالت زار کو دیکھکر، اس کا تاثر لے سکیں۔ جب یورپ کے مادہ پرست اہل سیاست وحکمران اپنے ہاں فلاحی سسٹم قائم کر کے، بے سہارا لوگوں کی ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں تو آخر ہمارے حکمران ومالدار ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟

کیا اس کردار کے ذریعہ ہمارے مقتدر اور مؤثر طبقات یہ جتلانا چاہتے ہیں کہ قومی وملی معاملات کے بارے میں ان کی اجتماعی حس بلکہ اجتماعی ضمیر مردہ ہو چکا ہے۔

قرآن نے غریبوں کی مدد کرنے اور بھوکوں کو کھانے کھلانے کو گھاٹی قرار دیا ہے کہ کافروں کے لئے اس گھاٹی کو طے کرنا محال ہے۔سورہ البلد میں اس کا ذکر ہے۔ موجودہ دور کے سرمایہ داروں ومالداروں کی اس معاملہ میں حالت زار دیکھکر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے یہ سب سے بڑی گھاٹی ہے، جسے وہ کسی صورت طے کرنا نہیں چاہتے۔ اور مختلف بہانوں وحربوں اور مکر وفریب سے وہ قوم وملت کے بیشتر وسائل پر قبضہ کرنے اور لوٹ مار کے ذریعہ وہ کروڑ پتی بننے میں تو تیز تر ہیں اور اپنی ساری ماہرانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن افرادِ ملت کی افلاس، مسکینی اور محتاجی کی حالت کی تبدیلی اور انہیں گھر بیٹھے روٹی فراہم کرنے کے معاملہ میں وہ سنگ دل سے سنگ دل تر ہیں، اس المیہ پر خون کے آنسو ہی بہائے جا سکتے ہیں۔

روحانی صلاحیتوں کی بیداری کی ضرورت

۵۲۔روحانیت ہر دور میں انسانوں کی ناگزیر ضرورت رہی ہے، لیکن یہ دور ایسا ہے کہ اس دور میں روحانیت کے بغیر انسانیت کے لئے کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے، اس لئے کہ اس دور میں نفسی قوتیں خونخوار درندوں کی طرح عالمی سطح سے لے کر مقامی سطح تک سامنے آئی ہیں، جو انسانیت کو پامال کر رہی ہیں، وہ افراد سے ان کا انسانیت کا سرمایہ اور ایمان کا سرمایہ سلب کر رہی ہیں، ان کے خون پسینہ کی محنت پر عیش کر رہی ہیں، ان کے لئے شرم وحیا اور عزت آبرو کے ساتھ زندگی گذارنے کے راستے مسدود کر رہی ہیں۔ اللہ کی مخلوق کو بے پناہ مسائل ومصائب سے دوچار کر رہی ہیں۔ زندگی کو ہر اعتبار سے آفت بنا رہی ہے۔ لوگوں کے لئے اپنے دین ومذہب کے مطابق زندگی گزارنا ہاتھ میں انگارے لینے کے مترادف بنا رہی ہیں۔ نفس پرستی اور مادہ پرستی کی ان قوتوں کا مقابلہ روحانیت اور روحانی ہتھیاروں ہی سے بہتر اور مؤثر طور پر کیا جا سکتا ہے۔

روحانیت سے مراد ایسی پاکیزہ زندگی کا حامل ہونا ہے، جس میں اللہ سے والہانہ محبت موجود ہو، صبر وشکر کے ساتھ زندگی گذارنے کی استعداد حاصل ہو، سادگی، قناعت اور کفایت شعاری کا سلیقہ حاصل ہو، دنیا کے حوالے سے حرص وہوس سے بچاؤ کی صورت موجود ہو، فرد ہر طرح کے حالات میں خوداعتمادی اور اعتماد ذات کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہو، دنیا وسامان دنیا پر مرمٹنے کی بجائے راحت کے ارمانوں سے حفاظت کی سعادت حاصل ہو، قلبی سکون کی دولت حاصل ہو، لوگوں سے محبت ورواداری کے جذبات موجود ہوں، معاشرے کی حالت پر کڑھنے اور اس کی اصلاح کے لئے اپنے حصے کے کردار کی ادائیگی کی فکرمندی ہو۔

جب یہ روحانیت اور روحانی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں تو زندگی سعادتوں سے عبارت ہوجاتی ہے اور اللہ کی رضامندی ہی مقصود زندگی بن جاتی ہے۔

اللہ کی راہ محبت میں چلے بغیر
معاشرے کو کام کے افراد کار کا دستیاب نہ ہونا

۵۳۔اللہ کی محبت کی راہ ایسی ہے، جس سے عبدیت کا سلیقہ وابستہ ہے، یہ محبت، دین کی حقیقی روح تک رسائی کا ذریعہ ہے، یہ محبت دین کے حقیقی فہم کے حصول کا

موجب ہے، اسی محبت کے بارے میں فرمایا کہ ’’اے ایمان والو اگر تم اپنے دین سے نکل جاؤ گے تو اللہ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ سے محبت کریں گے اور اللہ ان سے محبت کرے گا‘‘ (سورہ المائدہ آیت نمبر ۵۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں اللہ سے محبت کے کام کو مقصود کا درجہ حاصل ہے۔

راہ محبت ایسی راہ ہے، جس میں اللہ کی جلال و جمال کی صفات سے واستہ پڑتا ہے، ان صفات کے عکس کی وجہ سے بندے کو ایک نئی زندگی نصیب ہوتی ہے، یہ ایسی زندگی ہے، جس میں روزانہ نفسی قوتوں کو آتش عشق میں جلانا پڑتا ہے، روزانہ نفس سے کئی بار معرکہ آرائی کرنی پڑتی ہے، روزانہ مرکر زندہ ہونا پڑتا ہے، حاضر و موجود سے بے نیاز بلکہ بے زار ہونا پڑتا ہے۔

جب فرد یہ قربانی دینے کے لئے تیار ہوتا ہے تو اس کے لئے آہستہ آہستہ راہیں کھول دی جاتی ہیں، اس کو ایمان کی حلاوت کی ایسی زندگی عطا فرمائی جاتی ہے کہ زندگی کی ساری لذتیں اور عیش وراحتوں کا سارا سامان اس حلاوت کے مقابلہ میں ہیچ اور بے وقعت ہوجاتا ہے۔ اسے حکمت اور فراست عطا فرمائی جاتی ہے، جس سے اس کے لئے دین کی گہرائیوں تک پہنچنا آسان ہوجاتا ہے، اس پر دنیا کی زندگی کے دھوکہ اور پُرفریب ہونے کا راز آشکار کردیا جاتا ہے۔ اسے سامانِ دنیا وراحت دنیا کے فریب سے نکال کر، فقر محمدی کے اجزاء سے بہرہ ور کردیا جاتا ہے۔ اسے علم کا جو ہر عطا فرمایا جاتا ہے، جسے نور ایمان بھی کہہ سکتے ہیں۔ یَھْدِیْ اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَاءُ. یہ نور ایمان میں چلتا ہے، پھرتا ہے، اس کے لئے خوف وبھوک کی گھاٹیاں آسان کردی جاتی ہے۔ اس پر آخرت کی زندگی کے بارے میں شرح صدر پیدا کردیا جاتا ہے کہ اصل زندگی وہی ہے، جس کی ہمہ وقت تیاری وفکر کرنی چاہئے، اسے قلب سلیم عطا کردیا جاتا ہے، جو ہر وقت اللہ کے لئے، اس کے دین کے فکر کے جذبات واحساسات سے سرشار ہوتا ہے، اسے انسانیت نوازی کے آداب کا خوگر بنایا جاتا ہے، جس سے وہ اللہ کی مخلوق کے لئے شفیق اور باعث خیر ثابت ہوتا ہے۔ حمیت دین اس کے مزاج کا حصہ بن جاتی ہے، اللہ کے رسول سے والہانہ محبت اور اس کی اطاعت اس کے لئے سرمایہ افتخار بن جاتی ہے۔

ایسے ہی محبّ ہوتے ہیں، جنہیں اللہ تعالی ہر دور میں اپنے دین کی خدمت کے کام لئے منتخب کرتا ہے، کسی سے مقامی سطح پر کام لیتا ہے تو کسی کو قومی وملی سطح پر مختلف فتنوں کی روک تھام کے لئے اٹھا کھڑا کردیتا ہے اور ان کے ذریعہ سے ہوا کا رخ تبدیل ہوکر افراد معاشرہ میں ایمانی قوت کی رَو کو دوڑا دیتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ،

حضرت حسن بصریؒ، حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت نظام الدینؒ اولیا، امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیم، ابن جوزی، امام غزالی، مولانا رومی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، ان کی اولاد، حضرت محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانویؒ، حسن البناء، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا کلیم صدیقی وغیرہ یہ ساری شخصیتیں نفس کو آتش عشق میں جلا کر، اللہ کی محبت کے بلند مقام پر فائز ہوئیں، اللہ نے ان سے اپنے اپنے دور میں تجدید احیائے دین کا کام لیا، ان سے وقت کے فتنوں کی روک تھام کا کام لیا، اور ان سے ہزاروں لاکھوں افراد کے تزکیہ وتربیت کا کام لیا۔ (فکری محاذ پر مولانا مودودی کا کام بھی ایسا ہے، جسے اس فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے، لیکن چونکہ ان کی فکر میں محبت کے طاقتور اجزا موجود نہیں، اس لئے یہ فکر افراد کے تزکیہ میں مؤثر کردار ادا نہ کرسکی)۔

ہمارے اس دور کا المیہ یہ ہے کہ ذہنی اور علمی طور پر باصلاحیت افراد کی عام طور پر ساری صلاحیتیں دنیا کے حصول کی جدوجہد میں صرف ہورہی ہیں، ان کے سامنے دنیا اس زیب وزینت وخوبصورتی سے سامنے آئی ہے کہ وہ دنیا کے اپنے معمولی حصہ سے بھی دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں، کجا کہ وہ اللہ کی محبت کے ارتقائی مراحل طے کرنے کے لئے وقت کا قابل ذکر حصہ نکالیں، جو باصلاحیت افراد اس راہ میں آتے بھی ہیں تو وہ راہ محبت کی مشکلات کو دیکھکر جلد ہی راہ فرار اختیار کرتے ہیں، اس لئے کہ اس سے انہیں قدم قدم پر محسوس ہوتا ہے کہ دنیا کے مفادات کی قربانی دینی پڑتی ہے اور نفس کو آتش عشق میں جلانے کی وجہ سے دنیا کے حوالے سے ان کا دل سرد ہونے لگتا ہے اور اپنے دوستوں وساتھیوں سے قریبی تعلقات کی قربانی دینی پڑتی ہے، جس کے لئے بدقسمتی سے وہ تیار نہیں، اللہ کی راہ محبت میں دوسرے وہ افراد آتے ہیں، جن پر بزرگ بننے کی تمنا وحسرت ہوتی ہے اور وہ روحانیت کو اپنی شہرت ودولت کمانے کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ بزرگ بھی بن جاتے ہیں، ان کی شہرت کی تمنا بھی پوری ہونے لگتی ہے، لیکن وہ زہد، استغنا اور فقر کی دولت عظمیٰ سے محرومی کی وجہ سے افراد معاشرہ میں تبدیلی کی حقیقی لہر پیدا کرنے میں ناکام ہوتے ہیں، اس لئے کہ ان کے دل میں موجود حب جاہ وحب مال کے اثرات کے عکس اس راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ راہ محبت، نفس کو آخری حد تک پامال کرنے اور خواہشوں کو فنا کرنے کی راہ ہے، اس راہ میں عرصہ تک صبر، حوصلہ واستقامت سے چلے بغیر نفس کی وسیع دنیا نہ تو آشکار ہوتی ہے اور نہ ہی نفسی خرابیوں اور رزائل نفس سے پوری طرح بچاو

کی صورت پیدا ہوتی ہے، راہ محبت میں نفسی قوتوں کو آتش عشق میں جلا کر، فرد جب صحیح سلامت آگ کے اس آلاء سے محفوظ واپس آتا ہے تو وہ اللہ کا خلیل بن کر، توحید کی پیغام رسانی کے منصب پر فائز ہوتا ہے، یہی وہ وقت ہوتا ہے جب وہ استقامت کا پہاڑ بن کر افراد معاشرہ کو تجدید ایمان کی دعوت دیتا ہے، جو افراد اس سے محبت کا رشتہ منسلک کرتے ہیں، وہ ذکر کے نور کے ذریعہ ان کی تربیت وتزکیہ کا فریضہ سرانجام دے کر انہیں معاشرے کا مفید اور کارآمد فرد بناتا ہے۔ اور انہیں ہر طرح کے خوف وحزن سے نکالنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کا اخلاقی وروحانی بحران ہمہ گیر وہمہ جہتی نوعیت کا ہے، اس بحران نے انسانی شخصیت میں بھونچال پیدا کر دیا ہے، پیٹ، جنس، کثرت دولت کی ہوس اور عزت وشہرت ہی مقصود اور معبود کی صورت اختیار کر چکے ہیں، معاشرے کو اس بحران سے نکالنے کی ایک ہی صورت ہے کہ معاشرے کے ذہین، باصلاحیت اور متحرک افراد اللہ کی محبت کے اجزا سے بہرہ ور ہو کر، خود بھی صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ میں) رنگ جائیں تو دوسروں پر بھی اس رنگ کو مستحکم کرنے کے لئے حوصلہ وہمت سے کام لیں۔

بندہ مومن کا جذبہ جہاد سے سرشار ہونا

۵۴۔ بندہ مومن کی ایک ادا یہ ہوتی ہے کہ وہ جذبہ جہاد سے سرشار ہوتا ہے۔ وہ اسلام کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کو ناگزیر سمجھتا ہے۔ اور وہ اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف صف آرا ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں مسلمان جہاں بھی اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں، وہ ان کی جنگ اور جہاد کو اپنا جہاد سمجھتا ہے، اس کا دل مجاہدوں کے ساتھ دھڑکتا رہتا ہے۔ بالخصوص افغانستان میں طالبان کا جہاد، کشمیر اور فلسطین کی جہادی تحریکوں کو وہ اپنے دل کی آواز سمجھتا ہے۔

لیکن القائدہ، داعش، اور پاکستانی طالبان کی طرف سے مسلم ریاستوں کے خلاف خروج کو وہ جہاد نہیں، بلکہ خارجیت سمجھتا ہے۔ یہ تحریکیں جدید خارجیت کا مظہر ہیں، جو برعنائی نفس اور ردعمل کا نتیجہ ہیں اور عالمی طاغوت نے ان کی سرپرستی کر کے، انہیں مسلم ریاستوں کو گرانے وکمزور کرنے کی راہ پر لگایا ہے۔

بندہ مومن کے جہاد کا سب سے پہلا ہدف ونشانہ اس کا نفس ہوتا ہے، جب وہ نفس کے خلاف مجاہدہ کا عمل شروع کرتا ہے تو اسے مشاہدہ ہوتا ہے کہ نفس کی طرف سے

عالمی طاغوت سے بھی زیادہ خوفناک قوتیں اندر سے نکل کر، اس پر حملہ آور ہوتی ہیں اور اس کے ایمان کے لئے چیلنج ثابت ہوتی ہیں۔ وہ برسوں تک نفسی قوتوں (جن میں حب جاہ، حب مال، جذبہ شہرت، حرص وہوس اور خودنمائی جیسی قوتیں شامل ہیں) ان سے معرکہ آرائی میں مصروف رہتا ہے، اس طرح نفس کو قابل ذکر حد تک مہذب بنانے اور تزکیہ کرنے کے بعد وہ یکسو ہو کر خارجی نوعیت کے جہاد میں مصروف ہوتا ہے۔

اس کا یہ خارجی جہاد تلوار اور ہتھیاروں سے نہیں ہوتا، بلکہ اپنی ذہنی، علمی، اور عملی صلاحیتوں وقوتوں کو فروغ اسلام، دعوت اسلام، اشاعت اسلام اور غلبہ دین کے کام میں صرف کرنے کی صورت میں ہوتا ہے، اس کی ساری جدوجہد معاشرے کو اسلام سے ہم آہنگ بنانے، باطل افکار ونظریات سے مرعوبیت کو ختم کرکے، اسلامی نقطہ نگاہ سے افراد کی تربیت کرنے، سیاسی، سماجی، دعوتی اور درسگاہوں کی سطح پر ہونے والے دینی کاموں میں معاونت کرنے، ان کے ساتھ دامے درمے سخنے تعاون کرنے، علمی اداروں کو مستحکم کرنے میں اپنے حصہ کا کردار ادا کرنے اور نئی نسل کو تہذیب جدید کی یلغار سے بچانے کی جدوجہد وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔

بندہ مومن کے جہاد کی یہی وہ ترتیب ہوتی ہے، جو اس کے پیش نظر ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ معاشرے کو اسلامی نقطہ نگاہ سے مستحکم کئے بغیر نہ تو باطل نظریات وتحریکوں اور تہذیب جدید کے پیدا کردہ چیلنج کا مقابلہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی اصلاح معاشرہ کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ ریاستی سطح پر غلبہ اسلام کے سارے کام کا تعلق معاشرے کی اصلاح اور اسلامی نقطہ نگاہ سے اس کی تبدیلی سے وابستہ ہے۔

بندہ مومن کی شخصیت کے
توازن واعتدال کا ذکر سے وابستہ ہونا

۵۵۔ بندہ مومن کو اس بات کا آئے دن مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ اس کی شخصیت کا سارا اعتدال وتوازن ذکر سے ہی وابستہ ہے۔ ذکر میں کمی واقع ہوجانے سے حالات ومسائل کے بارے میں اس کی رائے اور طرز عمل غیر متوازن اور غلط ہوجاتا ہے، وہ زبان کو ضابطہ میں رکھنے میں ناکامی سے دوچار ہوجاتا ہے، فکری انتشار سے بچنا اس کے لئے دشوار ہوجاتا ہے، وہ خود اعتمادی کے بحران سے دوچار ہوجاتا ہے۔ وہ افراد کے بارے میں سوئے ظن کا شکار ہوجاتا ہے۔ نیز اس پر دنیا کی ہیبت کے اثرات غالب

ہو جاتے ہیں، مالداروں سے تعلقات کے سلسلہ میں اس کے جذبات مچلنے لگتے ہیں، گفتگو برائے گفتگو کے لئے اس کی زبان بے قابو ہونے لگتی ہے، اس کے دل کا سکون بُری طرح متاثر ہونے لگتا ہے۔ اشتعال پر قابو پانا اس کے لئے دشوار ہوتا ہے۔

ذکر کی کمی کے یہ سارے نقصانات ایسے ہیں، جو اس پر آئے دن مشاہد ہوتے رہتے ہیں، اس لئے اس کی زندگی ذکر سے ہی وابستہ ہوجاتی ہے۔ اللہ کے ذکر کا نور اس کی شخصیت کو تھام لیتا ہے اور اس پر سکون وسکینت کو غالب کر دیتا ہے اور اس کے کردار میں چمک ورونق پیدا کر دیتا ہے اور اسے دوسروں کے لئے رحم دل وشفیق بنا دیتا ہے اور اس کی شخصیت میں وقار، شائستگی اور انسانیت نوازی کے اوصاف پیدا کر دیتا ہے۔

اللہ کا جو ذکر خود اس دنیا کو قائم رکھنے کا ذریعہ ہو اور جو ذکر انسانی شخصیت کو زندگی کا شرف بخشنے والا ہو، اس ذکر سے غفلت یا ذکر کی دنیا میں آنے سے ہچکچاہٹ ایسی چیز ہے جو فرد وافراد کے لئے سب سے بڑی محرومی کی بات ہے۔

ذکر کی سعادت ونعمت تو ایسی چیز ہے کہ اگر اس سعادت کے حصول کے لئے ساری دنیا کی دولت لٹا دینا پڑے تو گویا سستا سودا ہے۔

ایسا عقل اور ایسی عقلیت جو فرد وافراد کو ذکر سے دور رکھنے کے لئے تاویلات اور دلائل کے انبار سامنے لا کھڑا کرتا ہو، ایسی عقلیت پر تف ہو، ایسی عقلیت سے تو وہ کم عقلی بہتر ہے، جو دل کی آواز پر لبیک کہہ کر، ذکر کی دنیا اور اللہ کی محبت کی دنیا میں کودنے کے لئے تیار ہو۔

ذکر کو فیصلہ کن اہمیت نہ دینے والی اسلامی فکر کے نقائص

۵۶۔ بندہ مومن کی نظر میں ایسی اسلامی فکر جس میں اللہ کے ذکر کو فیصلہ کن اہمیت حاصل نہ ہو، اس طرح کی اسلامی فکر سے عقلیت کے حامل افراد تو پیدا ہو سکتے ہیں، جو دین کے محاذ پر عقل واستدلال کے ذریعہ ایک حد تک مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں، لیکن ایسے افراد محبت، شفقت اور اللہ کے لئے ایک دوسرے کے قصوروں کو معاف کرنے کی صلاحیتوں کے حامل ہوسکیں اور مضبوط سیرت وکردار کے مالک ہوسکیں، کار دارد ہے۔

اس طرح کے افراد کے دل ذکر کے نور سے آشنا ہو کر، اس نور کی روشنی میں چلنے پھرنے اور ہر طرح کے حالات میں دین واسلام پر ثابت قدم ہوسکیں، دشوار تر بات ہے، اس لئے کہ عقلیت، استدلال اور علم، ذکر کا بدل ہوسکیں، ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ

اسلامی فکر میں ذکر کو فیصلہ کن اہمیت دے کر افراد اور افرادِ معاشرہ کی سیرت سازی اور کردار سازی کے کام کو اہمیت دینا ناگزیر ہے۔ فروغ دین اور غلبہ دین کے لئے ہونے والی ساری منصوبہ بندی کی کامیابی کے راستے ذکر کے اہتمام ہی سے کھلتے ہیں۔ اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی فروغ دین کے لئے اٹھنے والی تحریکیں معاشرے کے نفوذ میں ناکامی سے دوچار ہیں۔ معاشرے میں نفوذ تو دور کی بات ہے ان تحریکوں سے وابستہ دو کارکن ایک دوسرے سے والہانہ محبت کا مظاہرہ کر کے باہم شفیق جائیں، یہی کام نہیں ہوسکتا۔

اس کے بغیر محض قیل وقال، بحث ومباحثہ کی نفسیات اور تقاریر وجلسہ وجلوس سے تو دین کی گاڑی ارتقا پذیر نہیں ہوسکتی۔

دین کے نام پر معاشرے میں ملنے والی حیثیت کا امتحان ہونا

۵۷۔ بندے کی نظر میں دین کے نام پر معاشرے میں ملنے والی حیثیت اللہ کا خاص انعام ہوتی ہے، یہ انعام اس لئے ملتا ہے، تاکہ فرد مخلصانہ طور پر بڑے پیمانہ پر خدمت دین، دعوت دین واشاعت دین کا کام کرسکے، اس مقصد کے لئے اسے افراد کار کے ساتھ ساتھ وسائل بھی مہیا کئے جاتے ہیں، لیکن اگر دین کے نام پر ملنے والی اس حیثیت کو فرد نے اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل اور دولت وشہرت کے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا تو فرد سے یا تو یہ نعمت سلب کردی جاتی ہے یا وہ مختلف قسم کی آزمائشوں میں مبتلا کردیا جاتا ہے، سب سے بڑی آزمائش یہ ہوتی ہے کہ اس پر مال ودولت، اپنی بڑائی اور اپنی شہرت کی فکر مسلط کردی جاتی ہے، وہ اپنے معتقدین ومریدوں کو اپنا ذاتی استحقاق سمجھنے لگتا ہے اور ان کو اپنی شخصیت کے نشو ونما کے لئے استعمال کرنے لگتا ہے، اسے وقتاً فوقتاً سنبھلنے کا موقعہ دیا جاتا ہے، لیکن جب وہ حب جاہ وحب مال کے امراض کا مریض بن جاتا ہے تو اسے ڈھیل دی جاتی ہے اور دنیا کی چند لمحات والی زندگی میں اسے نفسی مفادات کی تکمیل کے لئے آخری حد تک مواقع دیئے جاتے ہیں۔

یہ عبرت کا مقام ہے کہ دین وروحانیت کے نام پر ملنے والی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر، فرد، مالداروں کی شاہانہ زندگی کا عادی بن جائے اور سلف کی راہ سے تجاوز اختیار

کرے، سنبھلنے اور بیدار ہونے کی ضرورت ہے، ذلیل دنیا کی خاطر بزرگی اور روحانیت کا سودا کرنا، دانشمندی کے منافی ہے۔

تزکیہ نفس (جسے اسلام میں فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے بلکہ اسلام کی ساری تعلیمات کا حاصل ہی تزکیہ ہے) اس کے لئے مجاہدے ناگزیر ہیں، مجاہدوں کے بغیر نفس کا تزکیہ نہیں ہوسکتا۔ ہماری نظر میں یہ مجاہدے دوطرح کے ہیں۔

ایک تو وہ مجاہدے ہیں، جو امت میں حقیقی اہل اللہ کے ہاں صدیوں سے مروج رہے ہیں کہ افراد کو راہ سلوک میں چلا کر، انہیں نفس امارہ سے لوامہ اور لوامہ سے مطمئنہ تک کا سفر طے کرایا جاتا ہے۔

بزرگوں کے ہاں طالبوں کو برسوں تک ان مجاہدوں سے گزار کر، ان کے تزکیہ کا عمل جاری رہا ہے۔

مجاہدوں کی دوسری صورت یہ ہے کہ اخلاص، خوداحتسابی اور ذکر کے ساتھ دعوتی کام کا اہتمام ہو، اور دعوتی کام زندگی کے اہداف میں شامل ہوجائے (یعنی بظاہر دعوتی کام، بباطن اصلاح نفس کی صورت) امت میں دونوں طرح کے مجاہدے شامل رہے ہیں۔ اس دور میں ان مجاہدوں کو منظم صورت دینے میں مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ اور حسن البنا شہید نے بنیادی کردار ادا کیا ہے اور اس سے لاکھوں افراد کو دین کی راہ پر لانے میں کسی حد تک کامیابی حاصل کی ہے، لیکن اس طرح کے دونوں مجاہدوں میں ذکر اور خود احتسابی کے عمل کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے۔ اگر ذکر اور خود احتسابی کے عمل میں کمی ہوگی تو تزکیہ کی راہ ہموار ہونے میں دشوار ہوگی۔ اس طرح یہ دونوں طرح کے مجاہدے افراد کی مطلوبہ درجہ میں اصلاح میں پیش قدمی کرنے میں ناکامی سے دوچار ہوں گے۔

فرد کی اصلاح اور تزکیہ کا معاملہ سب سے زیادہ دشوار تر ہے اور اس میں ہزارہا مشکلات درپیش ہیں، اس لئے ان دونوں طرح کے مجاہدوں کے حاملوں کے ہاں اصولوں کی پاسداری، ذکر کا اہتمام، نفس کی پامالی، عاجزی وانکساری اور خوداحتسابی کے مسلسل عمل پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔

ان اصولوں کی خلاف ورزی کی سزا نقد صورت میں ملتی ہے کہ تکبر، دعویٰ اور دوسروں کی تحقیر جیسے جذبات حاوی ہونے لگتے ہیں۔

دل کی تبدیلی کے کام کی اہمیت

اوراس سے فرد کی ساری انسانیت کا وابستہ ہونا

۵۸۔ بندہ مومن، دل کے جذبات واحساسات کو خالص اللہ کے لئے مختص اور مرتکز کرنے کے لئے نفسی وشیطانی قوتوں سے مسلسل نبرد آزما رہتا ہے اور اس سلسلہ میں وہ حوصلہ وہمت سے کام لیتا رہتا ہے، اور کسی بھی مرحلہ پر صبر کا دامن چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور ذکر وفکر کے مسلسل عمل کے ذریعہ وہ مجاہدہ میں مصروف رہتا ہے۔ بندے کی محبوب کے لئے دل کی پاکیزگی کے لئے اس جدوجہد کو دیکھکر بالآخر ایک وقت آتا ہے کہ محبوب اسے قلب سلیم کی دولت عطا فرماتا ہے، دل کی تطہیر وپاکیزگی کے بغیر نہ تو فرد کی بات میں کوئی وزن ہوتا ہے اور نہ ہی گفتگو میں تاثیر اور جان ہوتی ہے، اس صورت میں دل سے نکلی ہوئی باتیں دلوں کو جھنجھوڑنے اور دلوں میں الٹ پلٹ پیدا کرنے اور فرد کو صالح عمل پر ابھارنے کی بجائے ہوا میں تحلیل ہوجاتی ہیں۔ ناپاکیزہ دل سے نکلی ہوئی تقریر، چاہے جوش خطابت سے کتنی ہی سرشار ہو اور اس میں بظاہر کتنا ہی زور اور گرج ہو، لیکن وہ دماغ کی گہرائیوں سے اتر کر دل کی گہرائیوں میں شامل ہو کر، دل کو متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی، ایسی تقریر اور ایسی گفتگو کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے وہ نکل جاتی ہے۔ آج کل تقاریر میں اثر نہ ہونے کا بنیادی سبب یہی ہے کہ دل میں اللہ کے لئے اخلاص کا فقدان ہوتا ہے۔

بندہ مومن، دل کی صفائی وپاکیزگی اور تطہیر پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے، دل جسے قلب بھی کہتے ہیں، اسے بنایا ہی اس طرح گیا ہے کہ اس میں ہر وقت الٹ پلٹ اور تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے۔ دل کی کیفیات اور حالات میں تبدیلی کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔ دل کی حفاظت اور اسے ذکر کے نور سے سرشار کرکے، اس پر شیطانی اور نفسی قوتوں کے زور کو توڑتے رہنا اور اسے محبوب کی طرف متوجہ رکھنا، یہ بندہ کا سب سے بڑا ہدف ہوتا ہے، وہ مسلسل اسی اڈھیر بن میں رہتا ہے کہ دل یکسو نہیں ہو پاتا اور اس پر شیاطین کا ورود ہوتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے اس پر وسوسوں کا حملہ ہوتا رہتا ہے۔

صاحب دل شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

خون جگر کے بغیر ساری باتیں، سارے کام، ساری جدوجہد اور ملی تعمیر کے سارے منصوبے اور دین کے غلبہ کے سارے پروگرام نتیجہ خیز نہیں ہو سکتے۔

بعض اوقات ایک پُر جوش خطیب اور دانشور اپنی گفتگو اور تقریر میں پُر جوش ماحول پیدا کر دیتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ لوگوں کے عمل کی قوت بیدار ہوئی ہے، لیکن یہ سب ہنگامی طوفان ہوتا ہے، جو جلد ہی تھم جاتا ہے، اس کی مثال بلبلے کی سی ہوتی ہے، جس کی زندگی چند لمحوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ دل کو بدلے بغیر فرد کی زندگی میں پاکیزگی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور فرد میں حقیقی انسانیت اور پاکیزہ اوصاف پیدا نہیں ہو سکتے۔

مغربی انسان کے ہاں دل کی پاکیزگی کا وہ تصور، جو اسلام کے ہاں موجود ہے، وہ اس تصور سے محروم ہیں اور مغربی علوم وفنون اور مغربی نظام معیشت ومعاشرت کے رنگ میں رنگے ہوئے مسلم معاشرے کے جدید طبقات بھی دل کی پاکیزگی اور تطہیر کے کام کے ادراک وشعور سے قاصر ہیں، اس لئے دل کی سختی، تنگ دلی اور سنگ دلی کا مظاہرہ عام ہے۔

جب تک دل کو اللہ کی محبت سے لبریز کرنے کا عمل جاری نہیں ہوتا اور اس کے لئے صاحبان دل کی صحبت اور ذکر وفکر کے مجاہدے نہیں ہوتے، افراد معاشرہ میں سنگ دلی اور بے رحمی کا خاتمہ ہوکر، باہمی حقیقی محبت کے جذبات واحساسات پیدا نہیں ہو سکتے، اور اعمال میں تاثیری قوت پیدا نہیں ہوسکتی۔

افراد کو تبدیل کرنے کے لئے کتنے ہی بول بولے جائیں، کتنی ہی لچھے دار تقاریر کی جائیں، اس کا اثر ہانڈی کے وقتی جوش یا طوفان کی ہنگامی لہر سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔

معاشرہ کی تبدیلی کا سارا کام دل کی تبدیلی سے تعلق رکھتا ہے اور دل کی تبدیلی اللہ کی محبت کے زیر اثر ذکر وفکر اور اعمال صالحہ سے ہوتی ہے، اس کی دوسری کوئی صورت موجود نہیں۔

دل کی تبدیلی کا یہ نکتہ جتنا زیادہ اہم اور فیصلہ کن ہے اور اس نکتہ سے جس طرح

انسانیت کی ساری بھلائی وابستہ ہے، بدقسمتی سے ہمارے ریاستی نظام کی تشکیل دل کی ان صلاحیتوں کی بربادی اور دل پر نفس کے شیطان کو غالب کرنے کی بنیادوں ہی پر استوار ہوئی ہے۔ ان حالات میں ملت جس قدر بھی فساد سے دوچار ہو، کم ہے۔

معاشرے میں دل کی تبدیلی کے اثرات کا موضوع چونکہ بہت اہم ہے، اس لئے اس پر مزید تفصیلی گفتگو ضروری ہے۔

مسلم ریاستوں کو حکمرانوں اور افسروں کی صورت میں جو قیادت میسر ہوتی ہے وہ یا تو مغرب کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کی سند یافتہ ہوتی ہے یا مقامی اعلیٰ جدید تعلیمی اداروں کی۔ یہ تعلیمی ادارے مغربی افکار اور مغربی نصاب تعلیم کا چربہ ہوتے ہیں، (اگرچہ تحقیق کے اعتبار سے ہمارے تعلیمی اداروں میں مغربی تحقیق کا اعلیٰ معیار موجود نہیں ہوتا) ان دونوں طرح کے تعلیمی اداروں سے فارغ ہونے والے افراد جو ہمیں ہر طرح کی قیادت فراہم کرتے ہیں، بدقسمتی سے وہ دل کی صلاحیتوں کے بارے میں اپنے تہذیبی ورثہ کے نہ صرف حامل نہیں ہوتے، بلکہ وہ ان صلاحیتوں سے آشنا ہی نہیں ہوتے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ وہ دل کی صلاحیتوں کو برباد کر چکے ہوتے ہیں، وہ تاریک ضمیر ہوتے ہیں، تاریک ضمیر حکمرانوں وافسروں سے زندگی کے کسی بھی موڑ پر دل کے فتویٰ کے تحت عمل کی امید رکھنا اور ان سے اسلام اور ملت سے ہم آہنگ پالیسیوں کی امید رکھنا عبث ہے۔

مغربی روح کی حامل قیادت کا آئیڈل، اسلام، یا ہمارا تہذیبی ورثہ نہیں ہوتا، بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں مغرب ہی ان کا آئیڈل ہوتا ہے، ان کی پسند وناپسند کا معیار بھی مغرب ہی ہوتا ہے۔ مغرب کی ہر وہ چیز، جس سے ان کے نفس کو تسکین ملتی ہو، جس سے زیادہ سے زیادہ دولت حاصل ہوتی ہو اور مادی اشیا اور مادی حسن سے متمتع ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہو، وہ ان کو محبوب ہوتی ہے۔ مغرب کی وہ صحتمند چیزیں جو انہوں نے عقل کے ذریعہ قومی اخلاق کے نام سے اختیار کی ہیں، ہماری ہر سطح کی قیادت مغرب کی ان صحتمند چیزوں کو اپنی نفسیاتی خواہشات کی تسکین کے منافی تصور کرتی ہے۔

الغرض یہ کہ دل، انسانی شخصیت میں سب سے زیادہ فیصلہ کن قوت ہوتی ہے۔

جب تک ریاستی سطح پر دل کو مہذب بنانے کی صورت پیدا نہ ہوگی اور اس سلسلہ میں اپنے تہذیبی ورثہ سے بھرپور استفادہ نہ ہوگا، اس وقت تک معاشرہ اوپر کی سطح سے لے کر نچلی

سطح تک نفسانیت کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تصادم، دنیا کی ہڈیوں پر کتوں کی طرح چھینا جھپٹی، لوٹ مار اور انسانیت کی منافی حرکتوں سے محفوظ نہیں ہوسکتا۔

یاد رکھیں، مردہ دل انسان نفرت کے نہیں، بلکہ رحم کے مستحق ہیں۔ لیکن ان کی دل کی صلاحیتوں کی مردگی کی وجہ سے وہ اپنے اندر طاقتور منفی شعائیں رکھتے ہیں، ایسے لوگوں کی صحبت سے اس طرح بچنا چاہیئے، جس طرح کسی درندے سے بچا جاتا ہے، اس لئے کہ مردہ دل افراد کی صحبت، فرد کو کسی ایک آدھ سعادت سے نہیں، بلکہ ساری سعادتوں سے محروم کرنے اور ان کے دل کو تاریک تر بنانے کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ بہتر سے بہتر انسان تاریک ضمیر انسان کی صحبت میں آجاتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کی خیر کی ساری صلاحیتیں مفقود ہونے لگتی ہیں، یہ آئے دن کا مشاہدہ ہے۔

اسی طرح صاحبان دل اور روشن ضمیر انسانوں سے کوئی ایک سعادت نہیں، بلکہ آہستہ آہستہ ساری سعادتوں سے فیضیابی کی صورت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے، اس لئے کہ ایسے افراد کا دل دنیا کی محبت سے خالی اور اللہ کی محبت سے سرشار ہوتا ہے۔ ان کا دل، اللہ ورسول کی اطاعت پر راضی ہوتا ہے، ان کی صحبتِ مسلسل سے قلب سلیم اور نفس مطمئنہ کی راہیں ہموار ہونا شروع ہوجاتی ہیں اور ہر خیر اور ہر نیکی کو قبول کرنے کی استعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

صحبت کے اثرات

۵۹۔ اس دنیا میں اللہ کا ایک اہم قانون جو انسانوں پر لاگو ہوتا ہے۔ وہ انسانوں کی صحبت کی تاثیر کا قانون ہے۔ صحبت کی تاثیر کا یہ قانون ایسا اٹل ہے کہ اس سے بچ کر نکلنا یعنی اس کے اثرات سے بچنا ممکن نہیں۔

فرد کو بُروں کی صحبت بُرا بناتی ہے اور نیکوں کی صحبت نیک بناتی ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بُروں کی صحبت اختیار کی، بیٹے ہونے کے باوجود وہ حضرت نوح علیہ السلام کے فیوض وبرکات اور ان کے اثرات نبوت سے کلیۃً محروم رہے۔ صحبت کے انہی اثرات کی وجہ سے قرآن میں متعدد مقامات پر بُروں کی صحبت کے بارے میں انتباہات دیئے گئے ہیں۔

وَلاَ تَرْكَنُوٓاْ إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُواْ فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ.

(ظالموں کے قریب بھی نہ پھٹکو، ورنہ آگ تمہیں چھوئیگی)۔

یعنی نفس پرست اور دنیا پرست انسانوں کے صحبت اختیار کرنا، ان سے مشابہت اختیار کرنا، ان کی معاشرت اور طور طریقے اختیار کرنا، ان کی مادی تہذیب کو بہتر سمجھنا اور اس کی نقالی کرنا یہ فرد کے ایمان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے، اور اس کو آگ کے قریب کردیتا ہے۔

دوسری جگہ ہے۔

فَلاَ يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لاَ يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَى.

(جو شخص آخرت کو نہیں مانتا اور خواہشات کا پیروکار ہے اس کی صحبت کہیں تمہیں آخرت سے دور نہ کردے، اگر ایسا ہوا تو تم ہلاک ہوجاؤ گے۔)

یہ سورہ طٰہٰ کی آیت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ہمیں انتباہ دیا جارہا ہے کہ نفس پرست، مادہ پرست اور دنیا کو مقصود بنانے والے افراد کی صحبت سے بچو، ورنہ تم ان کے اثرات بد سے بچ نہیں سکو گے، اس طرح ہلاکت سے دوچار ہوجاؤ گے۔

یہ بہت اہم نکتہ ہے، جسے زندگی کے ہر موڑ پر پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ زندگی کے مسائل، معاشی ومعاشرتی تقاضوں کی بنا پر اس طرح کے لوگوں سے واسطہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، لیکن ان سے دامن بچا کر چلنا ہے۔ یعنی ان سے دنیاداری اور کاروباری حد تک تعلقات تو ناگزیر ہیں۔ لیکن یہ تعلقات دوستی میں ہرگز تبدیل نہ ہونے چاہیئے۔ دوسری صورت میں فرد، ان کی مادہ پرستی اور نفس پرستی کی طاقتور منفی شعاؤں کے اثرات سے بچ نہیں سکے گا۔

اس معاملہ میں احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے ہم اپنے جاننے والے بہت سارے افراد کو دیکھتے ہیں کہ وہ نیکی کی ہلکی سی خواہش رکھنے کے باوجود غلط دوستی کے مہلک اثرات کی زد میں ہیں اور دوستی کی آہنی زنجیروں نے انہیں قابو کرلیا ہے اور حق کی راہ پر آنا ان کے لئے دشوار سے دشوار تر ہوگیا ہے۔

شہرت کی دوقسمیں

آزمائش وانعام کی حامل شہرتیں

۶۰۔شہرت کی دوقسمیں ہیں۔ایک شہرت طلب، کوششوں اور آرزوؤں کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے کہ فرد اس کا متمنی ہوتا ہے۔شہرت کی یہ حیثیت آزمائش کی سی ہے کہ فرد کو اس کے نفس کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے، اس سے اس کا نفس شاداں وفرحاں ہوتا ہے۔

اس شہرت کے نتیجہ میں جو کردار وجود میں آتا ہے، اس کی علامتیں یہ ہیں، فرد عام لوگوں سے کٹ جاتا ہے، بڑے لوگوں تک محصور ہوجاتا ہے، اسے اپنی حفاظت کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ وہ پہروں میں رہنے لگتا ہے، وہ ذہنی اور نفسیاتی طور پر احساس برتری کا شکار ہوجاتا ہے، وہ بنگلوں میں رہتا ہے۔آسائش کی زندگی گذارتا ہے، وہ دولت سے کھیلنے لگتا ہے۔اس سے اللہ کے بندوں کا ملنا غیر معمولی طور پر دشوار ہوتا ہے، وہ مزید شہرت کے لئے فکرمند رہتا ہے اور اپنے متعلقین کے ذریعہ اس کی منصوبہ بندی کرتا رہتا ہے۔

یہ شہرت آفت ہے، جو فرد کو اپنی داخلی وباطنی بیماریوں کے ادراک سے محروم کردیتی ہے۔

دوسری شہرت اللہ کی طرف سے انعام ہوتی ہے۔جو اللہ، اپنے خاص الخالص دوستوں کو عطا فرماتا رہتا ہے، اس شہرت سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ اللہ کے دوست سے محبت کرکے، اس سے زیادہ سے زیادہ روحانی طور پر استفادہ کرسکیں، اس کے فیوض وبرکات سے بہرہ ور ہوکر، تقویٰ اور تزکیہ کے مراحل طے کریں۔

اللہ کی طرف سے انعام کے طور پر حاصل ہونے والی اس شہرت کی علامتیں یہ ہیں۔ایسا فرد عجز وانکساری کا مجسمہ ہوتا ہے، اس پر فنائیت طاری ہوتی ہے۔وہ اپنے آپ کو لاشے تصور کرتا ہے۔اس سے ملنا آسان ہوتا ہے، اس کی طرز معاشرت سادہ ہوتی ہے۔وہ زہد وفقر کا صاحب ہوتا ہے اور دولت سے اپنا دامن بچانے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔وہ ہر طرح کی برتری وہ چاہے علمی ہو یا روحانی، اس طرح کے احساسات برتری سے محفوظ ہوتا ہے۔وہ اللہ کے بندوں کے لئے شفیق ہوتا ہے۔

قرآن نے اس طرح کے خوش نصیب افراد کے بارے میں فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا. (سورہ مریم آیت ۹۶)

(جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل سرانجام دیئے، اللہ ان کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کردے گا)۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک مفسر لکھتے ہیں۔

یعنی ان کو اپنی محبت دے گا یا خود ان سے محبت کرے گا یا خلق کے دل میں ان کی محبت ڈالیگا۔احادیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اول جبریل کو آگاہ کرتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، وہ آسمانوں میں اس کا اعلان کرتے ہیں، آسمانوں سے اتری ہوئی اس کی محبت زمین پر پہنچ جاتی ہے اور زمین والوں میں اس بندہ کو حسن قبول حاصل ہوتا ہے یعنی بے تعلق لوگ جن کا کوئی خاص نفع وضرر اس کی ذات سے وابستہ نہ ہو، اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، لیکن اس قسم کی حسن قبولیت کی ابتدا مومنین صالحین اور خدا پرست لوگوں سے ہوتی ہے، ان کے قلوب میں اول اس کی محبت ڈالی جاتی ہے بعدہ قبول عام حاصل ہوجاتا ہے، ورنہ ابتداً محض طبقہ عوام میں حسن قبول حاصل ہونا اور بعد میں خدا پرست صالحین کا بھی کسی غلط فہمی وغیرہ سے اس کی طرف جھکنا مقبولیت عنداللہ کی دلیل نہیں ہے، خوب سمجھ لو۔(تفسیر عثمانی)

مالداری کے میلانات

ورجحانات سے بچاؤ کی صورت

۶۱۔بندہ مومن پر اللہ کا ایک فضل خاص یہ ہوتا ہے کہ حالات چاہے کتنے ہی نامساعد ہوں، مادیت کی طوفانی لہریں کتنی ہی تیز ہوں، مالداری کے میلانات ورجحانات میں کتنا ہی اضافہ ہو، لیکن وہ سلف صالحین کی فقر، زہد، دنیا واہل دنیا سے استغنا اور اللہ کی محبت کی راہ پر مستقل مزاجی سے قائم رہتا ہے اور وہ مادیت اور دنیاداری کی ساری طوفانی لہروں سے بچاؤ کے سلسلہ میں اللہ سے مستقلاً استقامت طلب کرتا رہتا ہے اور اللہ کو خوف وامید کے ساتھ پکارتا رہتا ہے۔اللہ اس کی اس ادا کو دیکھکر اس کی ہدایت اور تقویٰ میں مزید اضافہ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ.

یعنی اللہ ان کو ہدایت اور تقویٰ کی اسی حالت پر ہی قائم نہیں رکھتا، بلکہ ان کے ارتقا کے مزید راستے کھولتا رہتا ہے اور انہیں ایمانی حلاوتوں سے متمتع کرتا رہتا ہے۔

اس اعتبار سے بندہ مومن کی خوش قسمتی اور مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اپنی اس حالت پر اس میں مزید عاجزی، فنائیت اور اپنی پامالیٔ ذات کا احساس بڑھتا رہتا ہے اور محبوب کے بے پایاں انعامات پر وہ سجدہ شکر بجا لاتا رہتا ہے۔

غربت کے شکار افراد کی
امداد سے اعراض کی عمومی روش

۶۲۔ایک تشویش کی بات یہ ہے کہ معاشرہ میں معاشی طور پر کمزور، بے بس اور افلاس کے شکار افراد کو سہارا دینے، اور ان کی امداد کرنے کی ہماری حس ایک طرح سے ختم ہوگئی ہے۔ ہمارے اپنے محلّہ میں متعدد ایسے افراد موجود ہوتے ہیں، جو روٹی کے محتاج ہوتے ہیں، علاج کے لئے پیسوں کے لئے ترس رہے ہوتے ہیں، بنیادی ضرورت کی چیزوں سے محروم ہوتے ہیں، لیکن معلومات ہونے کے باوجود ہم ان کی مدد کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

حالانکہ ہم اللہ کی بہت ساری نعمتوں سے متمتع ہوتے ہیں، ہمارے پاس اچھی گاڑی، مکان کی سجاوٹ، موبائل کے قیمتی سیٹوں کے لئے وافر رقم موجود ہوتی ہے، اپنے بچوں کو ہر طرح سے خوشحال رکھنے کے لئے وسائل موجود ہوتے ہیں، لیکن اپنے محلّہ اور اپنے شہر میں موجود اللہ کی بے بس مخلوق حتیٰ کہ اپنے غریب محتاج عزیزوں کے لئے بھی ہمارے اندر رحم دلی پیدا نہیں ہوتی اور ان کی بے بسی ہمارے ضمیر کو متحرک و مضطرب کرنے کا ذریعہ نہیں بنتی، حدیث شریف ہے کہ خدا کی قسم، تم اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتے، جب تک اپنے لئے جو کچھ چاہتے ہو، وہی کچھ اپنے دوسرے بھائیوں کے لئے نہ چاہو۔

ایک دوسری حدیث شریف ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پڑوسیوں کی اتنی تاکید کی کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ کہیں پڑوسی کو ملکیت کا حصہ دار نہ بنایا جائے۔

جب ایمان کمزور ہوتا ہے تو فرد کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کا دل، دنیا میں اٹکا ہوا ہوتا ہے، وہ بخل اور حرص وہوس کا شکار ہوتا ہے۔ وہ اپنی دولت میں کمی کسی صورت میں دیکھنا نہیں چاہتا، دوسروں پر دولت خرچ کرنے کا تصور بھی اسے اذیت سے دوچار کر دیتا ہے۔

یہ نفس کی پیدا کردہ تنگی اور بخل ہے۔ **وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ.** (جو نفس کی تنگی سے بچا، وہی اصل میں کامیاب ہیں۔)

جب ایمان ارتقا پذیر ہوتا ہے اور اللہ کی محبت غالب ہونے لگتی ہے تو دولت جیسی دوسری ساری محبتیں مغلوب ہونے لگتی ہیں اور اللہ کے لئے پیسہ خرچ کرنے اور ملی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے طاقتور احساسات جنم لیتے ہیں اور اپنے بھائیوں کی افلاس کی حالت فرد کو مضطرب کر دیتی ہے۔

لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ. (تم نیکی کے معیار تک نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ جو چیز تمہیں محبوب ہے، وہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔)

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ. (اور تم سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کتنا خرچ کریں، ان سے کہہ دو کہ ضرورت سے زائد (سب کا سب)۔

ایمان کے ان معیاروں کو دیکھکر ہمیں اپنی حالت کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟

خوشحال افراد کی ملی ضروریات سے
بے نیازی و بے حسی کی روش اور اس کے اثرات ونتائج

۶۳۔ ہمارے خوشحال اور مالدار افراد کے کردار کا ایک تشویشناک پہلو یہ ہے کہ وہ ملت کی اہم اور بنیادی ضروریات کے لئے رقم خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں۔

بہت سارے کام ایسے ہیں، جو محض وسائل کے فقدان کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب جو عالم اسلام کے مایہ ناز فلاسفر تھے اور علامہ اقبال کے صحیح معنیٰ میں جانشیں تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں اس بات کی کوشش کی کہ ایک ایسا اعلیٰ جدید تعلیمی ادارہ قائم ہو، جہاں سائنسی، نفسیاتی اور عمرانی علوم کی اسلامائیزیشن کا عمل ہو اور ایسے افراد کار تیار ہوں، جو اللہ کی محبت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں اور

جو مغربی فکر اور مغربی تہذیب سے مقابلہ کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اس ادارہ سے نکلنے والے افراد، زندگی کے جس شعبہ میں جائیں، وہاں خدمت اسلام کے کام کو نصب العینی کام سمجھیں اور دینی حمیت ان کے مزاج کا حصہ ہو۔

ڈاکٹر صاحب نے اس مقصد کے لئے نصابی کتب بھی تیار کیں، ''آل پاکستان ایجوکیشن کانگریس'' کے نام سے ادارہ بھی تشکیل دیا، لیکن ان کی ساری کوششوں کے باوجود انہیں مالی وسائل دستیاب نہ ہوسکے اور یہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔

اسی طرح ڈاکٹر محمد امین صاحب جو بڑی فاضل شخصیت ہیں، جدید تعلیم کا کافی تجربہ رکھتے ہیں، تعلیمی نظام کے موضوع پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، موصوف پچھلے تیس سال سے ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب کے طرز پر اعلیٰ تعلیمی ادارے کے قیام کے لئے کوشاں ہیں، اس مقصد کے لئے وہ اپنے ماہانہ رسالہ ''البرھان'' میں مضامین پر مضامین لکھ رہے ہیں اور اس کام کی اہمیت وافادیت وضرورت پر مسلسل توجہ دلا رہے ہیں۔ لیکن مالدار افراد کی بے حسی ملاحظہ ہو کہ ان کی اس صدا پر کوئی توجہ دینے کے لئے ہی تیار نہیں اور پچھلے تیس سال سے ان کے کام میں عملی طور پر کوئی پیش قدمی نہ ہوسکی ہے۔

اسی طرح سندھ میں ساٹھ ستر سال پہلے سابق سوویت یونین اور بھارت کی کوششوں سے مغرب میں شائع ہونے والے ملحدانہ نظریات پر مشتمل لٹریچر کا سندھی زبان میں ترجمہ کرکے، اسے بڑے پیمانہ میں نہیں پھیلانے کی کوشش کی گئی اور متعدد تنظیموں کے ذریعہ نئی نسل کو ملحدانہ مادی نظریات کا حامل بنا کر، انہیں اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب سے باغی بنانے کی کاوشیں ہوئیں۔ یہ فکری یلغار ایک سیلاب کی طرح اٹھی، جس کی وجہ سے سندھ کی ہماری تین نسلیں ملحدانہ فکر کی نذر ہوگئی، کمیونزم، قوم پرستی، سیکولرزم، ہندی تہذیب سے وابستگی، راجہ داہر سے محبت اور لادین نظریات نے سندھ کی ذہین، باصلاحیت اور پڑھی لکھی نسلوں کو بڑی طرح اپنی لپیٹ میں لیا اور دیندار اور مذہبی خاندانوں کے افراد بھی اس ملحدانہ فکر کی نذر ہونے لگے، بعض اسلامی فکر کے حامل دانشوروں نے اس فکر کے مقابلہ کے لئے علمی وعملی طور پر کام کی بڑی کوشش کیں، لیکن خوشحال اور مالدار افراد کی بے حسی کی وجہ سے اس فکر کے مقابلہ کی مؤثر صورت پیدا نہ ہوسکی، اس وقت صورتحال یہ ہے کہ سندھ کا پریس، میڈیا اور سندھ کے بیشتر علمی وادبی

واشاعتی ادارے اسی ملحدانہ فکر کو فروغ دے رہے ہیں اور پڑھنے والوں کی اسی فکر کی بنیاد پر ذہن سازی کا عمل جاری ہے۔

جب کسی ملت کے مالدار افراد کی اپنی تہذیب اور اپنے نظریہ سے بے حسی کی یہ حالت ہوجائے تو وہ ملت طاقتور مادہ پرست قوموں کی فکری اور عملی یلغار سے بچ سکے، ممکن ہی نہیں۔

موجودہ دور میں تجارت، صنعتکاری اور سیاست کے علاوہ مال کے دوسرے ذرائع بھی پیدا ہوگئے ہیں، جس میں ڈاکٹری، انجنیئرنگ، اور فنی مہارت کے مختلف پیشے شامل ہیں۔ ہمارے ملک میں ہزاروں لاکھوں ڈاکٹر ہیں، جو روزانہ لاکھوں روپے کمارہے ہیں، لیکن بدقسمتی سے انہیں ملت کے معاملات اور اپنی نسلوں کی تہذیبی بقا سے متعلق مسائل کا نہ تو ادراک ہے اور نہ ہی وہ اس کام سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ عام طور پر پیٹ، جنس اور اولاد کی فکر سے آگے بڑھکر کسی مسئلہ کو اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں۔ یہ ایسی تشویشناک صورتحال ہے، جو تیزی سے ہمارے زوال کا باعث بن رہی ہے۔

نیک ارادوں سے قائم جدیدیت کا مقابلہ کرنے والے تعلیمی اداروں کی صورتحال

۶۴۔ ہمارے ہاں جدید تعلیم وقدیم تعلیم کی آمیزش سے کچھ ادارے قائم ہوئے ہیں، بعض ادارے چالیس پچاس سال سے اس سمت میں کام کررہے ہیں، ان اداروں کے سامنے مقصد یہ ہے کہ معاشرے کو ایسے افراد فراہم کیے جائیں، جو دینی علوم سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ جدید علوم کے بھی حامل ہوں، تاکہ ریاست ومعاشرے کی بہتر بنیادوں پر تشکیل کے سلسلہ میں وہ فیصلہ کن کردار ادا کرسکیں۔

ہماری نظر میں اس طرح کے ادارے اب تک زیادہ مؤثر کردار ادا کرنے میں اس لئے ناکام ہیں کہ ان اداروں کی بنیاد میں اللہ کی محبت کے اجزا شامل نہیں کیے گئے، عقل، استدلال اور ظاہری علوم سے فرد وافراد کے پاس علوم کا ذخیرہ تو آجاتا ہے اور وہ جدید فنی صلاحیتوں کے بھی کسی حد تک حامل ہوجاتے ہیں، لیکن اللہ سے محبت کے اجزاء کی کمی کی وجہ سے ان کی دینداری کی بنیاد مستحکم نہیں ہو پاتی، اس کی وجہ سے جب وہ معاشرے میں آتے ہیں تو مادہ پرستی کے عالمی دباؤ کا مقابلہ کرکے، وہ دنیاداری سے

نچنے میں کامیابی سے کم ہی ہمکنار ہوتے ہیں۔

انسانی شخصیت اور نفسیات کی گہرائیوں میں موجود اس خرابی کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ فرد وافراد علوم وفنون میں جتنا آگے بڑھتے رہتے ہیں، عام طور پر اسی حساب سے ان میں حب جاہ وحب مال کے جذبات فروغ پذیر ہونے لگتے ہیں، اگر دوران تعلیم، تزکیہ وتربیت کا خصوصی انتظام نہ ہو تو یہ علوم فنون، افراد کے لئے دنیاوی خوشحالی کو اہداف بنانے اور مالداروں والی لائن اختیار کرنے سے روکنے میں ناکام رہتے ہیں۔

اس طرح بہتر منصوبہ بندی اور نیک ارادوں سے قائم ہونے والے تعلیمی ادارے ریاست ومعاشرہ کو سنوارنے کی صلاحیتوں کے حامل افراد فراہم نہیں کرپاتے۔

ایک تو اس میں نفسی حجابات حائل ہوتے ہیں، دوسرے مادیت کا برپا شدہ ہمہ گیر طوفان افراد میں دنیاداری کے میلانات کو غالب کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اور بہتر سے بہتر تعلیمی اداروں کے فارغ افراد کی حالت وہ ہوجاتی ہے، جو پالتو طوطے کو بلی سے بچاؤ کے لئے الفاظ رٹاتے رہنے کا نکلتا ہے کہ طوطہ الفاظ تو رٹتا رہتا ہے، لیکن جب بلی اچانک حملہ آور ہوتی ہے تو وہ الفاظ رٹتے رہنے کے باوجود بلی کا شکار ہوجاتا ہے، مادیت کے طوفان سے علم، استدلال اور مہارت کے حامل افراد کا حشر یہی ہوتا ہے، اس طرح کے تعلیمی اداروں کی بنیاد میں جب تک تزکیہ، اخلاص، بےنفسی، تقویٰ اور دنیا سے استغنا کی تربیت کا خصوصی اہتمام نہ ہوگا، یہ تعلیمی ادارے اخلاقی وروحانی اعتبار سے طاقتور افراد فراہم کرسکیں، محال ہے۔

اس سلسلہ میں مجددین امت کی کتابوں سے فکری رہنمائی حاصل کئے بغیر تربیت کا جو بھی نظام تشکیل ہوگا، اس میں افراد کے پیچیدہ مزاج، نفسیات، اور شخصیت کے عدم فہم کے ساتھ ساتھ ان کے تزکیہ کی بہتر صورت پیدا نہ ہوسکے گی، اس سلسلہ میں نئے دوٗر کے کسی ایک دو عالم وفاضل کے ذاتی تجربات ومشاہدات پر انحصار کرنا غلطی شمار ہوگا، اس لئے کہ انسانی شخصیت کے مزاج ونفسیات ونفس کی خرابیاں ہمیشہ یکساں رہی ہیں، بزرگان دین نے فرد کی ان خرابیوں کو پیش نظر رکھ کر، اس کے تزکیہ کے لئے اہم اور بنیادی چیزیں ضروری قرار دی ہیں، ان کی فکر سے بھرپور استفادہ کیے بغیر شخصیت کی پاکیزہ بنیادوں پر تربیت کے کام میں کامیابی حاصل نہ ہوسکے گی، محض علمی وفنی صلاحیتوں یا تربیت کے ظاہری اصولوں ونظام سے کام نہیں بنتا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ باطن کی تعمیر اور ظاہر کی باطن سے ہمہ آہنگی کا کام ایسا ہے، جو سب سے اہم کام ہے اور ظاہری علوم وفنون سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس لئے کہ شخصیت کی سیرت وکردار واخلاق کی پاکیزگی وبلندی اور اس کی حمیت دین اور اس کے اخلاص وللھیت کا سارا تعلق اسی سے ہے، اور باطن کی تعمیر کے اس کام کے لئے ایک دو فرد کے ذاتی اجتہاد پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، اس کے لئے امت کی اجتماعی اجتھادی صلاحیتوں پر ہی انحصار کرکے، باطنی تربیت کا نظام متشکل ہوسکتا ہے، دوسری صورت میں جدید چیلنج سے عہدہ برا ہونے کے لئے قائم ہونے والے بڑے سے بڑے تعلیمی اداروں کے نتائج حوصلہ افزا صورت میں ظاہر ہوسکیں، محال ہے۔

جب ہمارے اچھے دور کے سب سے بڑے تعلیمی ادارے جس کے سربراہ امام غزالی تھے، بقول امام غزالی اس کی حالت یہ تھی کہ اس کے بیشتر معلمین اور اساتذہ علمائے کرام علمی طور پر ایک دوسرے سے برتری حاصل کرنے کے جذبات اور اس پر مشتمل سرگرمیوں میں مصروف رہے، غزالی خود بھی ان سرگرمیوں میں شریک رہے، تو اس دور میں تزکیہ کے کام کو نصاب کا اہم حصہ بنائے بغیر، اس طرح کی سرگرمیوں اور اس طرح کے منفی کردار سے بچاؤ کی صورت کیا ہوسکتی ہے؟

اس طرح کے تعلیمی ادارے ذہن کو مستحکم کرنے اور اسے علم سے بھرنے کا ذریعہ تو بن سکتے ہیں، لیکن وہ روح کی تشنگی اور اس کے اضطراب میں اضافہ ہی کرسکتے ہیں اور سیرت کی پاکیزہ بنیادوں پر تعمیر کے سلسلہ میں ٹھوس کردار ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں، چنانچہ بڑی تمناؤں، کوششوں، صلاحیتوں ووسائل کے استعمال کے نتیجہ میں فارغ ہونے والے افراد یا تو دنیا کی مادی ڈور میں شرکت کی جدوجہد ان کا ہدف بن جاتی ہے، یا زیادہ سے زیادہ وہ نسبتاً کچھ بہتر انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے میں کامیاب ہوتے ہیں، وہ اس روحانی واخلاقی قوت اور غیر معمولی حمیت دین سے قاصر ہوتے ہیں کہ ہر طرح کے حالات میں ریاست ومعاشرہ کی تبدیلی کے سلسلہ میں اپنا بھرپور کردار ادا کرسکیں اور اس کام کو اپنی زندگی کا ہدف قرار دیں۔

نفس لوامہ کو طاقتور بنانے کے لئے وقت نکالے بغیر چارہ کار کا نہ ہونا

۶۵۔ جب تک فرد کا نفس لوامہ طاقتور ہوکر وہ نفس مطمئنہ کے ابتدائی مرحلہ میں

داخل نہیں ہوتا، تب تک طالب کو دنیاوی معاملات میں کمی کر کے، راہ محبت میں چلنے کے لئے وقت نکالنا پڑتا ہے، وقت نکالے بغیر نفس کا یہ معرکہ سرانجام نہیں ہوتا، جب دنیا کے ہر کام و ہر فن میں مہارت کے حصول کے لئے وقت دینا ناگزیر ہے، اور اس معاملہ میں فرد کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا، وہ زیادہ سے زیادہ وقت صرف کر کے، اپنے کاروبار اور اپنی فیکٹری کو مستحکم کرتا ہے یا فنی صلاحیتیں حاصل کرتا ہے، لیکن راہ محبت جو دین و دنیا کی ساری سعادتوں کی راہ ہے، اس میں وقت نہ دینا یا برائے نام وقت دینا یا وقت دینے میں بخل سے کام لینا، یہ علامت ہے اس بات کی کہ طالب کے دل میں نفس کو مزکی بنانے کے کام کی قدر اور اہمیت موجود نہیں، اگر اہمیت موجود ہوتی تو وہ اس اہم کام کے لئے وقت نکالنے کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتا- اللہ کے لئے نفس کو مجاہدوں کی راہ میں چلانے کے نتیجہ میں وہ جلد ہی محسوس کرتا ہے کہ اللہ کی طرف سے اس کے لئے مسائل و معاملات زندگی میں برکتوں کا ایسا سلسلہ شروع ہوگیا ہے، جس کا وہ اس سے پہلے تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، اللہ کی یہ سنت ہے کہ وہ کوئی بھی نعمت آسانی سے نہیں دیتا، بالخصوص نفسی قوتوں کو مفتوح کر کے نفس مطمئنہ کی نعمت کا عطا ہونا تو غیر معمولی مجاہدوں کے بغیر ممکن نہیں۔

مسائل ومصائب کا بڑھتا ہوا بحران

۶۶۔موجودہ دور میں لگ بھگ ہر فرد کو اولاد، عزیز واقارب اور دوستوں کے حالات اور کاروبار وغیرہ کے بارے میں تشویشناک خبریں ملتی رہتی ہیں، فلاں عزیز کا کاروبار یا ملازمت خطرے میں پڑگئی ہے، فلاں دوست نازک حالت میں اسپتال میں داخل ہے، بچوں کی اخلاقی حالت دگرگوں ہے، گھر میں وسائل کی کمی کی وجہ سے اشتعال کی حالت غالب ہے اور گھر کا ماحول کشیدہ ہے، یہی نہیں بلکہ بیشتر گھروں کی حالت یہ ہوچکی ہے کہ شوہر و بیوی چھوٹے چھوٹے مسائل پر آپس میں لڑلڑ کر تھک چکے ہیں، ان کی زندگیاں زہر بن چکی ہیں، حالت اشتعال میں وہ ایک دوسرے کو اذیت پہنچانے اور ذلیل کرنے کے لئے آخری مرحلہ تک پہنچ چکے ہیں، ان کی قوت برداشت ختم ہوچکی ہے، روزمرہ کے ان جھگڑوں نے ایک دوسرے کو بدحال کردیا ہے، اور زندگی ایک طرح سے عذاب کی صورت اختیار کرچکی ہے۔

آج کل ہر فرد اس طرح کے مسائل وحالات میں گھِرا ہوا ہونے کی وجہ سے سخت ذہنی دباؤ کا شکار ہے، اوپر سے مادیت کی خوفناک لہریں اس کے دل اور ذہن پر مزید دباؤ ڈال کر، اس کے لئے ڈپریشن کا ذریعہ بن رہی ہیں، یہ سارے حالات ایسے ہیں، جس میں ذہنی توازن قائم رکھنے اور خوداعتمادی کا حامل ہونے کے لئے ذکر کا سہارا لینا اور اہل اللہ کی صحبت کی سخت ضرورت ہے، ورنہ فرد نفسیاتی، ذہنی اور طرح طرح کے جسمانی امراض کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

ان سارے دشوار گزار بلکہ اذیت ناک صورتحال کے باوجود وہ ذکر وعبادت کی طرف آ کر اللہ کے سایہ میں پناہ لینے کے لئے تیار نہیں ہیں، سبب یہ ہے کہ ذکر وعبادت سے غفلت کی عادتوں نے ایسا جکڑ لیا ہے کہ عادتوں کی ان زنجیروں کو توڑنا دشوار ہوگیا ہے۔

اس طرح اعمال کا کچھ نتیجہ خود اس دنیا میں ہی سامنے آرہا ہے کہ سکون برباد ہے، ایک دوسرے سے غیظ وغضب کے جذبات غالب ہیں، نفرت اور بیزاری مزاج کا حصہ بن چکی ہے۔

بندہ مؤمن جب افراد معاشرہ کے اس عمومی بحران کو دیکھتا ہے اور انہیں مسائل ومصائب کے طوفان میں گِھرا ہوا دیکھتا ہے تو سخت اذیت سے دوچار ہوتا ہے، اس کے دل کی گہرائیوں سے یہ دعا نکلتی ہے کہ کاش، لوگوں میں اللہ سے مانگنے اور اللہ کی طرف رجوع ہونے کی صورت پیدا ہو، تاکہ مسائل ومصائب کے حل ہونے کے ساتھ نئے نئے پیدا ہونے والے مسائل کے احساس کی شدت میں کمی واقع ہو۔

جذبہ جہاد وقتال

اسلام کے تحفظ کا موثر ذریعہ

۶۷۔ جہاد وقتال اسلام کا ایسا فریضہ ہے، جو اللہ کے رسول کے فرمان کے مطابق قیامت تک جاری وساری رہے گا، چونکہ کفر کی طاقتیں اسلام اور ملت کو اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتے رہی ہیں اور سمجھتی رہیں گی، اس لئے ان کی سازشوں سے مقابلہ کے لئے ہر دور میں جہاد اسلام وملت کی حفاظت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ اس دور میں تو عالمی کفر کا سب سے بڑا نشانہ ہی اسلام اور ملت اسلامیہ ہے۔ وہ ملت کے وسائل پر

قبضہ کر کے، انہیں بالواسطہ طور پر ہر صورت میں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے اور ان سے عزت کی زندگی سلب کرنا چاہتا ہے اور اسلام کی عالمگیر تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی سعادت چھیننا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے کفر کی طاقتیں ''الکفر ملۃ واحدۃ'' کا منظر پیش کر رہی ہیں۔

المیہ کی بات یہ ہے کہ عالم اسلام کے حکمرانوں میں کفر کی طاقتوں نے دھشت وخوف زدگی کی ایسی فضا پیدا کر دی ہے کہ عالم اسلام کے لگ بھگ سارے حکمران طاغوت کی عالمی قوت سے کانپ رہے ہیں، بلکہ ان حکمرانوں کے ذاتی مفادات، ملت کے مفادات سے منسلک ہونے کی بجائے عالمی کفر کے مفادات سے وابستہ ہوگئے ہیں، عالمی کفر نے ان کو اپنی ریاستی اور قومی دولت کی لوٹ مار کی کھلی اجازت دیدی ہے، تاکہ اس بہانے سے انہیں اپنے مفادات کا آلہ کار بنایا جائے، چنانچہ عالم اسلام کے بیشتر حکمرانوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے اربہا ڈالر کی رقم بیرونی ممالک کی بنکوں میں پڑی ہوئی ہیں۔ عالمی کفر کی سرپرستی میں ان کی یہ رقم محفوظ حالت میں موجود ہے۔

مسلمان حکمرانوں کا دوسرا المیہ یہ ہے کہ وہ فکری طور پر سیکولر نظریہ پر یقین رکھتے ہیں، جو اسلام کے اجتماعی، معاشرتی اور ریاستی تعلیمات سے سراسر متصادم ہے۔

تیسرا المیہ یہ ہے کہ عالمی کفر نے این جی اوز کے نام پر مسلمان ممالک کے باصلاحیت اور ذہین طبقات کو بھاری معاوضہ جات دے کر، ان کی خدمات خرید لی ہیں اور وہ انہیں معاشرے میں آزادی اور سیکولرزم کے فروغ کے کام کے لئے استعمال کر رہا ہے چوتھا المیہ یہ ہے کہ عالمی کفر نے اسلامی فکر کے حامل بعض ''دانشوروں'' اور ''مجتہدوں'' کو اسلام کے جدید ایڈیشن کی تیاری کے کام پر لگا دیا گیا ہے، جس کے تحت اسلام سے اس کی روح نکال کر، اسے جدیدیت کے سانچہ میں ڈھالہ جائے اور مذہبی طبقات میں ایسے ذہین افراد کی خدمات حاصل ہوں، جن میں آزادی وجدیدیت کے کچھ اثرات موجود ہوں اور جو حب مال کے جذبات کے حامل ہوں، اس طرح کے باصلاحیت علماء کو بھاری معاوضات دے کر ان سے اسلام کی جدیدیت سے ہم آہنگ نئے ایڈیشن کی تیاری کا کام تیزی سے جاری ہے۔

ان حالات میں اسلام کا جذبہ جہاد ہی وہ قوت ہے، جس سے اسلام اور مسلم ملت کو کفر کی سازشوں سے بچایا جا سکتا ہے، لیکن جب تک افرادِ ملت کی قابل ذکر تعداد عملی

طور پر اسلام سے ہم آہنگ نہیں ہوتی اور دینی قیادت کا اجتماع قتال کا فیصلہ نہیں کرتا، تب تک جہاد کی ابتدائی صورت ہی قابل عمل ہوگی، جس کے تحت دعوتی وعلمی اداروں اور بڑے پیمانہ پر دعوتی واشاعتی کام کے ذریعہ افراد معاشرہ کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے اور ان کی اخلاقی وروحانی تربیت کرنے اور مادیت پرست قوتوں کے مقابلہ میں انہیں اسلام پر قائم ومستحکم رکھنے، بہتر خطوط پر ان کی ذہن سازی کرنے اور انہیں ارتداد کی ہمہ گیر عالمی تحریک سے بچانے کی کاوشیں ہوں گی۔ جہاد کا یہی مرحلہ سب سے اہم مرحلہ ہے، اگر یہ مرحلہ بڑی حد تک طے ہوجائے تو مسلمان ریاست میں ایسی اجتماعی قوت وجود میں آسکتی ہے، جو تحفظ اسلام کے لئے عالمی کفر اور اس کے مقامی کارندوں سے مقابلہ کرسکتی ہے، اس لئے کہ اس کی پشت پر افراد ملت کی بڑی قوت موجود ہوگی، جو ملت، طاقتور اسلامی نظریہ کی حامل ہو اور وہ اس نظریہ کی پشت پر کھڑی ہو، اسے دنیا کی بڑی سی بڑی قوت بھی متزلزل نہیں کرسکتی۔

اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہنگامی کاموں میں قوت اور سرمایہ صرف کرنے کی بجائے افراد ملت کی اسلامی بنیادوں پر تعلیم وتربیت اور بہتر ذہن سازی اور ان کے تزکیہ کے کام میں اپنی قوتیں صرف کردیں، تاکہ چند سالوں کے بعد ایک وسیع باغ تیار ہو، جس کے پھل آور میووں سے ملت لذتیاب ہوسکے۔

ہمہ گیر نوعیت کے بحران کو سمجھنے کی ضرورت

۶۸۔ اس وقت انسانیت جس بحران سے دوچار ہے کہ انسانیت کی صفوں میں ماتم برپا ہے، قومیں قوموں سے ٹکرا رہی ہیں، گروہ گروہوں سے متصادم ہیں افراد، افراد سے حالت تصادم میں ہیں۔

یہ ساری صورتحال دراصل دل کے بگاڑ کا نتیجہ ہے، اور خالص داخلی نوعیت کی خرابی ہے، جب کہ اس بحران کا حل خارجی زندگی میں تلاش کرنے کے لئے کوششیں جاری ہیں، دنیا بھر کے دانشوروں کی دانش کہتی ہے کہ اس بحران سے نکلنے کی صورت خارجی حالات میں بہتری سے وابستہ ہے، لوگوں کے معاشی حالات بہتر بنائے جائیں، اچھی حکومت قائم ہوجائے، عدالتی نظام بہتر ہوجائے، زیادہ سے زیادہ مادی ترقی ہو، تو

یہ بحران ازخود ختم ہوجائے گا۔

خالص داخلی نوعیت کے بحران کو خارجی تدابیر سے حل کرنے کی صورت یہ دراصل عقل سالم کے سلب ہونے کا نتیجہ ہے۔

کیا اچھی حکومت یا بہتر عدالتی نظام داخلی زندگی میں موجود فساد کی موجودگی میں ممکن ہے؟ حالات بتا رہے ہیں کہ ایسا کرنا لیپا پوتی سے کام لینے کے مترادف ہے، یہ بالکل ایسا ہے، جیسے برسوں کی جسمانی ناپاکی اور گندگی کو ظاہری خوشبو اور لباس کی خوبصورتی سے چھپانے کی کوشش کی جائے، مغرب میں اکثر عورتوں ومردوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ برسوں تک نہاتے نہیں، چنانچہ ان کے جسم پر گندگی کی ہلکی تہیں جم جاتی ہیں، اس گندگی کو وہ طرح طرح کی خوشبو سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ان کے قریب جانے سے گندگی کے اثرات واضح محسوس ہوتے ہیں۔

جب دل فساد سے دوچار ہوتے ہیں، تو اچھی حکومت، قانون کی حکومت، انصاف وغیرہ سب بے معنیٰ ہوجاتے ہیں، اس لئے کہ دل کے فساد کی وجہ سے دولت واختیارات سے قانون سے بچنے اور مؤثر طبقات کی طرف سے لوٹ مار اور نفسی مفادات کے لئے سینکڑوں راستے اور تدابیر نکالی جاتی ہیں، پھر قانون بنانے والے افراد خود قانون میں اپنے مفادات کے جواز کی ایسی ایسی صورتیں پیدا کرلیتے ہیں کہ ان کے لئے انسانیت کو پامال کرنا آسان ہوجاتا ہے، اس وقت عالمی سطح پر چند ہزار ملٹی نیشنلز جس طرح انسانیت کو پامال کررہی ہے اور اس سے مختلف بہانوں سے روٹی کا نوالہ چھیننے میں مصروف ہے، دنیا میں کوئی قانون ایسا نہیں ہے، جو اسے ایسا کرنے سے روک سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت انسانیت کو درپیش سارا بحران خارجی نہیں، بلکہ داخلی نویت کا ہے۔

اس سلسلہ میں ہم یہاں مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کی ایک تحریر کا تفصیلی

حوالہ پیش کرتے ہیں، جس سے داخلی نوعیت کے ہمہ گیر فساد کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

’’دوستو! بچپن میں ایک کہانی سنی تھی، ایک صاحب سڑک پر کچھ تلاش کررہے تھے، لوگوں نے پوچھا، صاحب آپ کیا تلاش کررہے ہیں؟ انہوں نے کہا جیب سے اشرفی گرگئی تھی، اسے تلاش کررہا ہوں، کچھ بھلے مانس بھی ان کے ساتھ تلاش میں لگ گئے، تھوڑی دیر کے بعد کسی نے پوچھا حضرت، وہ اشفی کہاں گری تھی؟ کہنے لگے، گری تو گھر کے اندر تھی مگر مشکل یہ ہے کہ گھر میں روشنی نہیں ہے، سڑک پر روشنی ہے، اس لئے یہاں تلاش کررہا ہوں۔

انسان کی سہولت پسندی

۶۹۔ بظاہر تو یہ ایک افسانہ یا لطیفہ معلوم ہوتا ہے، مگر واقعات کی دنیا میں دیکھیں گے تو یہی نظر آئے گا کہ جو چیز گھر میں کھوئی ہے، اس کی آج باہر تلاش ہے، بڑے بڑے میدانوں میں آج یہ ہورہا ہے کہ گھر کی چیز باہر تلاش کی جارہی ہے، کوئی چیز کھوئی تو گئی اپنے اندر، مگر تلاش اس کی باہر ہے، کیونکہ باہر روشنی ہے۔

آج بہت سے ایسی چیزوں کی کمیٹیوں اور جلسوں میں تلاش ہے، لیکن سکون، امن، اطمینان اندر کی چیزیں ہیں اور ان کی تلاش باہر ہورہی ہے، انسانیت کی قسمت اندر سے بگڑی ہے، لیکن باہر اس کو بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، جس امن وسکون اور اطمینان قلب کی ہمیں ضرورت ہے، جس محبت کی فضا، ہمدردی کی فضا، اخلاق کی فضا کی ہمیں اور آپ کو ضرورت ہے، زندگی کو جو جوہر اور زندگی کا جو قیمتی سرمایہ آج مفقود ہے وہ سب دل کی دنیا میں کھویا ہے، لیکن وہاں اندھیرا ہے، انسانی فطرت سہولت پسند ہے، اس نے کبھی یہ زحمت برداشت نہیں کی کہ دل کے اندر ڈوب کر کھوئی ہوئی قیمتی چیز کو تلاش کرلے، اس نے اس کو آسان سمجھا کہ باہر روشنی میں اپنے گمشدہ مال کو تلاش کرے، آج قومیں حیران ہیں، بڑے بڑے حکیم ودانا سرگرداں ہیں، لیکن اس کا سراغ نہیں ملتا کہ ہمارا مال کھویا کہاں ہے۔

انسانیت کو غم خوار انسانوں کی ضرورت ہے

۷۰۔ انسانیت کو آج ایمان ویقین، سچائی اور پاکیزگی، محبت ومروت اور ہمدردی

وغمخواری کی ضرورت ہے، اس کا مداوا تہذیب کی چمک دمک نہیں، تحریر نہیں، اس کو ضرورت ہے، غمزوار انسانوں کی، دردمند انسانوں کی، جو دوسرے کے لئے گھلیں اور اپنے کو مٹا کر دوسروں کو بنائیں، تحریروں اور تہذیبوں سے انسانیت نہیں پیدا ہوتی، یورپ نے ہم سے اخلاق اور روحانی اقدار چھین لیں، اس معاملہ میں وہ خود خالی ہاتھ تھا، اس نے ہمیں بھی دیوالیہ بنادیا، مصنوعات سے بھر دیا، اس نے ہماری راتوں کو چراغوں سے جڑ دیا، بجلی کے قمقموں سے جگمگادیا، ہمیں دل کی روشنی کی ضرورت تھی، اس نے دل کا چراغ گل کردیا، مبارک تھا وہ زمانہ جب دل کی روشنی تھی، بجلی کی روشنی نہیں تھی، آپ خود سوچیں، آپ سے کوئی سودا کرنا چاہے تو آپ کو کون سا زمانہ پسند ہے؟ انسانیت کا، ہمدردی کا، غمخواری کا زمانہ جس میں آدمیت کی قدر اور فکر تھی، یا وہ زمانہ جس میں انسانیت کا کوئی احترام نہیں، مگر اس میں پریس ہیں، بجلی کی روشنی ہے اور برقی پنکھے ہیں، آج سکون قلب میسر نہیں، لیکن پیسہ کی افراط ہے، آج سب کچھ ہے، لیکن روحانی قدریں عنقا ہیں۔

آج سب کچھ ہے، لیکن مقصد نہیں، جس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے ہوں، پیاس سے تڑپ رہا ہو، اسے چلو بھر پانی چاہیے، اس کے لئے سب کچھ، کچھ نہیں، اس کے لئے اشرفیاں موجود ہوں تو کیا؟ بس تمدن میں محبت کا ذرہ نہیں، ایثار وہمدردی کا نام نہیں، جسے دیکھو غرض کا بندہ، اس تمدن کو لے کر کیا کریں۔

ساری غلطی یہ ہو رہی ہے کہ صحیح دروازے سے آنے کی کوشش نہیں کی جاتی، چور دروازے سے داخل ہوتے ہیں، دل کا پھاٹک بند ہے اور اندر جانے کا راستہ وہی تھا، دل کا راستہ کھو چکے، ہم خودغرضیوں کے ساتھ وہاں نہیں پہنچ سکتے، دنیا کا بگاڑ بے جا غرور اور بے جا خواہشات کا غلبہ ہے اور ان سب کا دہانہ دل ہے، اس دل میں جب ایک خدا کا اقتدار نہیں، اسے اس کی بالادستی تسلیم نہیں، یہ اپنے کو اس کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتا تو پھر اس کی شکایت کیا، کسی کو پھر کیا غرض ہے کہ وہ کسی کی مدد کرے اور دوسرے کے لئے اپنے کو خطرے میں ڈالے، آج کی دنیا میں بھائی بھائی کو تاجرانہ ذہن سے دیکھتا ہے، ہر ایک نے دوسرے کو گاہک اور فریق سمجھ لیا ہے، سب طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے، فطرت انسانی مسخ ہوگئی ہے، باپ بیٹوں سے نالاں ہیں، استاد شاگردوں سے ناخوش ہیں۔

آج یونیورسٹیوں میں کہرام مچا ہوا ہے کہ شاگرد ادب نہیں کرتے اور استاذ شفقت وہمدردی نہیں برتتے، تمام لوگ اس سے پریشان ہیں اور اس کی اصلاح کی

طرح طرح کی کوشس ہوتی ہیں، لیکن اس کی جڑ اور بنیاد پر غور نہیں کیا جاتا کہ تعلیمی نظام جس کا سارا ڈھانچہ مادہ پرستی ہو، آخر اس کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں، تعلیم کا کون سا اسٹیج ہے، جہاں اخلاق اور کردار کی تعمیر کی کوشش کی جاتی ہے؟ یہ تمام برائیاں تو متوقع نتائج ہیں، اس نظام سے، تمہارا ادب، تمہارا آرٹ، نفسانی خواہشات کو بیدار کرتا ہے، اور انسان کو موقع پرست بناتا ہے، اور تمہارا ماحول ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے کہ خواہشات اور خودغرضیوں کی تسکین ہو سکے، وہ تمہیں دولت مند، ساہوکار بننے کا جذبہ دیتا ہے، اس وقت ضرورت ضمیر اور ذہن بدلنے کی ہے، ان کے بدلے بغیر کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

بیدار دل کی ضرورت

۱۷۔ بندہ مومن کی نظر میں بیدار دل کی ضرورت ہے، ایسا دل، جو زندگی کے ہر معاملہ میں صحیح وغلط کے درمیان فتویٰ دے سکے، جو بے لاگ نفس اور آزاد عقل کو لگام دے سکے، جو فرد کی شخصیت میں سوز وساز پیدا کر سکے، دین، دینی امور اور انسانیت کے حوالے سے اس میں حساسیت پیدا کر سکے، جو زندگی کے واقعات سے عبرت وموعظت حاصل کر سکے، جو قرآن سن کر، رقت سے سرشار ہو سکے، جو زندگی کے ہر موڑ پر فرد کو دنیادارانہ میلانات ورجحانات سے بچا سکے، جو اسے آداب انسانیت سے آشنا کر سکے اور جو سب کے لئے رواداری اور خیر خواہی پیدا کر سکے۔

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ. (آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ سینہ میں جو دل ہوتے ہیں وہ اندھی ہوتی ہیں) سینہ میں موجود اس دل کی صلاحیتوں کی بیداری ہی سے فرد کی ساری اسلامیت اور ساری انسانیت وابستہ ہے، اس لئے کہ تقویٰ، خشیت، محبت ومعرفت اور پاکیزہ زندگی ان ساری چیزوں کا تعلق دل کی بیداری ہی سے ہے۔

جب دل بیدار ہوتا ہے تو فرد میں زندگی کی رَو اور لہر پیدا ہوجاتی ہے، جس سے عمل صالحہ کی قوت آجاتی ہے۔

دل کی بیداری کی یہ صورت صاحبان دل کی صحبت اور ذکر وفکر کے مجاہدوں ہی سے پیدا ہوتی ہے، ذکر وفکر کے مجاہدوں کی توفیق حقیقی طلب کے نتیجہ میں ہی عطا ہوتی

ہے۔

دین ومذہب کے نام پر بڑھتی ہوئی عدم خیرسگالی کی فضا اوراس کے تدارک کی ضرورت

۷۲۔ ایک تشویش کی بات یہ ہے کہ دین ومذہب سے وابستہ افراد نے عام طور پر جداگانہ دائراتی خول بنالئے ہیں، وہ ان دائروں سے باہر کے مذہبی افراد سے روابط، میل جول اور تعلقات قائم رکھنے کے راودار نہیں۔ بالخصوص جماعتی اور مسلکی گروہوں سے وابستہ مذہبی افراد کا ذہنی سانچہ کچھ اس طرح کا بن جاتا ہے کہ وہ دوسرے مذہبی دبستانِ فکر سے وابستہ افراد سے مراسم قائم کرنے کو اپنی مذہبی ودینی وابستگی اور اپنی دینی فکر کے لئے خطرہ سمجھنے لگتے ہیں، بلکہ تعلقات تو دور کی بات ہے، حالت یہ ہوگئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے سایہ سے بھی ڈرنے لگتے ہیں کہ کہیں سایہ پڑجانے سے وہ ان کے زیراثر نہ ہوجائیں، اس طرح ان کی اسلامیت مشکوک ہوجائے، جماعتوں ومسلکوں سے وابستہ دینی ومذہبی افراد کا ایک دوسرے سے یہ معاملہ ایسا ہے، جس نے ملت کی بنیادوں کو کمزور کردیا ہے اور انہیں کفر کی طاقتوں کے لئے لقمہ تر بنا دیا ہے، منتشر ملت اپنے جداگانہ گروہی قوت کو بچانے کی جدوجہد میں مصروف ہے اور یہ سارا کام ملت کی بقا کی قیمت پر ہو رہا ہے۔

جس ملت کے افراد کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا ہو اور جو دین نام ہی ایک دوسرے کی خیرخواہی کا ہو اور جس دین کی اجتماعیت ملت کے وحدت کے رشتہ پر قائم ہو، اس دین سے وابستہ افراد کی یہ حالت ہر اعتبار سے قابل رحم ہے اور اس کی زبوں حالی اور زوال کا بنیادی سبب بھی۔

جمعہ کے خطبات میں عام طور پر علماء کرام کا جو موضوع ہوتا ہے، وہ ایک دوسرے گروہوں کی تردید ہی کا موضوع ہوتا ہے۔ یعنی مسلکی وگروہی اختلافات اور کلامی وفقہی نوعیت کے مسائل کی بنیاد پر ایک دوسرے کی تردید ہی ان کا سب سے اہم موضوع ہوتا ہے۔ دیوبندی، بریلوی، شیعہ، تقلید وعدم تقلید اکثر گفتگو کے یہی موضوعات ہوتے ہیں۔

ایک طرف تو حالت یہ ہے کہ ملک میں لادینیت کا سیلاب سارے بند توڑ کر ہمارے گھروں میں داخل ہوگیا ہے ہماری نسلوں میں دین سے دوری ودین بیزاری کے

رجحانات عام ہورہے ہیں، دوسری طرف اہل مذہب کا دین کے بنیادی عقیدوں اور فرائض وواجبات اور تعمیر سیرت وکردار کے مسائل پر زور دینے کی بجائے ان مسائل کو ہدف بنانے کی روش نے مسلکوں، گروہوں اور جماعتوں سے وابستہ عام مذہبی لوگوں میں تنگ نظری، تعصب اور ایک دوسرے سے بُعد کی صورتحال پیدا کردی ہے اور رواداری اور خیرسگالی کی فضا کو مجروح کردیا ہے۔

اس تنگ نظری، تعصب اور ایک دوسرے کے لئے خیرسگالی کے فقدان میں جہاں علم کی گہرائی اور وسعت فکر کی کمی شامل ہے، وہاں اس میں نفسانیت ونفسانی جذبات بھی شامل ہیں۔ جب نفس کی تہذیب وتربیت کا عمل متاثر ہوتا ہے تو نفس، دینداری کے حوالے سے نئے نئے فتنے برپا کرنے کا موجب بن جاتا ہے۔

یہ صورتحال ملت اسلامیہ اور پاکستانی ملت کے لئے بہت المناک ہے۔ اس سے ان کی قوتیں وصلاحیتیں ایک دوسرے سے صف آرائی میں صرف ہونے لگتی ہیں، ضرورت ہے کہ ہر مکتبہ فکر کی دینی ومذہبی قیادت سر جوڑ کر بیٹھے اور امت میں تفریق اور بُعد پیدا کرنے والے عوامل پر غور وفکر کرکے، اس کے ازالہ کی کوشش کرے۔

مغرب کی بعض خوبیوں کی وجہ سے اسے دنیا کی قیادت کے مقام کا حاصل ہونا

۷۳۔ بندہ مؤمن کی نظر میں آج مغرب کو دنیا پر قیادت کا جو مقام حاصل ہے، اس میں اشیائے کائنات میں موجود قدرتی قوانین کو سمجھنے کے سلسلہ میں ان کی کوششوں، سائنسی تحقیق وتلاش کے لئے زندگیاں وقف کرنے، پہاڑوں کو چیرنے اور سمندر کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنے، انسانی تاریخ کے تجربات ومشاہدات سے استفادہ کرکے، اپنے لوگوں کی مادی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی ان کی کاوشوں، قومی زندگی کے لئے بعض بنیادی اصولوں کے سلسلہ میں قوم کے ہرفرد کی ذہن سازی کی کوششوں، خیانت، بددیانتی، جھوٹ، ملاوٹ وغیرہ سے حفاظت، ٹیکس کی ادائیگی کے ذریعہ ملک وقوم کو مستحکم کرنے کی اداؤں، ریاستی سطح پر فلاحی سسٹم کا قیام، جس کے مطابق بے روزگاروں کو ماہانہ الاؤنس دینا، بے گھر افراد کو گھر فراہم کرنے میں مدد کرنا، قانون کی حکمرانی کا قائم ہونا، بڑے سے بڑے مالدار اور حکمران کا قومی جرم کی

صورت میں سزا سے نہ بچنے کی صورت کا ہونا، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جس نے مغرب کی خرابیوں کے پلڑے کو دبا کر، ان کی خوبیوں کے پلڑے کو اوپر کر دیا ہے، بالخصوص اجتماعی ریاستی معاملات کے سلسلہ میں ان کی حساسیت اور اصولوں کی پاسداری کا ان کا سسٹم بہت مستحکم ہے، مذہب کو مسترد کرنے کی وجہ سے اگرچہ ان کا گھریلو، خاندانی اور معاشرتی نظام تباہی سے دوچار ہے اور روح کی عدم تسکین کی وجہ سے وہ بہت سارے نفسیاتی اور ذہنی دباؤ ومسائل کا بھی شکار ہیں، لیکن قوم کی بہتری اور ریاستی نظام کو اصولوں کے مطابق چلانے کے معاملہ میں ان کی اجتماعی حس کی بیداری کی وجہ سے انہیں دنیا میں دوسری قوموں پر بالادستی کا مقام حاصل ہے، اس اعتبار سے ہمارا ریاستی نظام بڑی طرح ناکامی سے دوچار ہے، ہمارے حکمرانوں اور افسروں کا آئیڈل مغرب ہی رہا ہے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ وہ مغرب سے اس کی اچھی چیزوں، قانون کی حکمرانی، عدلیہ کی مکمل آزادی، معاشی اعتبار سے کمزور لوگوں کو ریاست کی طرف سے سہارا دینے کی ذمہ داری لینا، مالداروں کی طرف سے ٹیکس کی ادائیگی کو فرائض میں شمار کرنا، انتظامی معاملات میں لوگوں کو ہر طرح کی سہولت فراہم کرنا، لوگوں کے معاملات زندگی میں انتظامیہ اور ریاست کی طرف سے کسی طرح کی رکاوٹ پیدا نہ کرنا، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو مغرب کی تقلید ہی میں سہی، اپنے ہاں اختیار کرنا چاہئے۔

انسانی نصب العین کے تعیین کے بارے میں جدید ماہرین نفسیات کا تجزیہ اور اس پر تنقید

۷۴۔ جدید دور کے ماہرین نفسیات وطبیعات نے زندگی بھر کی تلاش وتحقیق سے انسان کے بارے میں اہم نکتہ جو دریافت کیا ہے، وہ یہ ہے کہ انسانی شخصیت اور اس کی ساری سرگرمیاں ایک ہی نصب العین کے گرد گھومتی ہیں، شخصیت کا محور ایک ہی ہوتا ہے اور سارے اعمال اس نصب العینی محور کے تابع ہوتے ہیں، جدید ماہرین کی تحقیق کا شخصیت کے نصب العینی محور کے گرد گھومنا، اس کے سارے اعمال کا اس کے تابع ہونا، ہماری نظر میں ان کا تعین تو صحیح ہے، لیکن انسان کے نصب العین کی تشخیص کے معاملہ میں وہ بری طرح ناکامی سے دوچار ہیں، ان کی اس ناکامی کا نتیجہ ہے کہ ان کے ان نظریات کی وجہ سے انسانیت مادیت کی دلدل میں مبتلا ہوگئی ہے۔

فرائیڈ کے نظریۂ جنس نے مغرب کو جنس زدگی کے ہیجان میں مبتلا کر دیا، اس نظریہ سے بلند ہو کر سوچنا، اہل مغرب کے لئے محال ہو گیا ہے، فرائیڈ کے نظریہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انسان کے سارے جذبات اور اس کی ساری سرگرمیاں جنس کے مرکز کے گرد گھومتی ہیں، اس لئے جنس پر قدغن لگانا فرد کو ذہنی مریض بنانا ہے۔

ایڈلر کے نظریہ فوقیت کی بنیاد ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے کے داعیہ پر ہے، جس کے تحت ہر فرد پیدائشی طور پر جو نصب العینی داعیہ لے کر آتا ہے، وہ قومی، سیاسی، سماجی ہر سطح پر دوسروں پر فوقیت حاصل کرنے کا جذبہ ہے، فرد کی ساری زندگی اسی محوری نکتہ پر گھومتی ہے، اس نظریہ نے بھی مغربی انسان میں بھونچال پیدا کر دیا ہے۔

میڈوگل نے اپنے نظریہ میں بتایا ہے کہ انسان سراپا حیوانی جذبات وتقاضوں سے عبارت ہے، اس میں حیوانی عنصر کے علاوہ کوئی دوسرا پاکیزہ جذبہ سرے سے موجود ہی نہیں، اس لئے اس کی ساری زندگی ترقی یافتہ حیوان سے عبارت ہے، مغربی ماہرین نفسیات وطبیعات کے برعکس مسلم ماہرین جن میں اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین نمایاں ہیں، وہ قرآن وسنت کی روشنی میں یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ انسان کی خود شعور ہستی جو انسان کی اصل ہستی ہے، وہ خود شعور مطلق ہستی سے والہانہ محبت کے ایسے رشتہ میں منسلک ہے کہ اس کے بغیر وہ موت کے سے حالات سے دوچار ہو جاتی ہے، اس کے سارے تقاضے اور ساری ضروریات اس بات سے وابستہ ہیں کہ اس کے پاکیزہ محبت کے جذبات کی تسکین کا انتظام کیا جائے، اس طرح اسے تخلقوا باخلاق اللہ کا نمونہ بنایا جائے۔

خدمت دین کے محاذ پر کام کرنے والی جماعتوں کا جائزہ

۷۵۔ بندہ مومن کی نظر میں برصغیر ہند بلکہ عالم اسلام میں خدمت دین اور دعوتی محاذ پر جو جماعتیں کام کر رہی ہیں، ان کے کام کی نوعیت کو سمجھنا، کمزور پہلوؤں سے آشنا ہو کر ان پر دل کی گہرائیوں سے غور وفکر سے کام لینا ضروری ہے، تاکہ عالمی طاغوت کی ہمہ گیر کاوشوں کے مقابلہ میں دینی ودعوتی محاذ پر ہونے والے اس کام میں مزید بہتری کی صورت پیدا ہو سکے اور ملت کی نسلوں کو کفر کی عالمی قوتوں کی فکری، علمی، اور تہذیبی یلغار سے بچانے کی کوششوں میں مزید بہتری اور تیزی آسکے۔

ملت کے ذہین و باصلاحیت افراد کو دی جانے والی تعلیم کا مادیت پرستی پر مبنی ہونا اور اس کے تباہ کن اثرات کا ہونا

۷۶۔ بندہ مومن کے لئے سب سے بڑی تشویشناک جو بات ہے، جو اس کی نیند اڑانے کے لئے کافی ہے، وہ یہ ہے کہ ہماری ملت کے ذہین، باصلاحیت اور خوشحال خاندانوں کے افراد کو جو تعلیم دی جارہی ہے، وہ مغربی افکار اور مغربی تہذیب سے مرعوبیت بلکہ اس سے مسحور ہونے کی تعلیم ہے۔ جب کہ انہیں اپنی پاکیزہ تہذیب، اپنی ملی تاریخ، اپنے دینی، روحانی اور نفسیاتی وعمرانی علوم سے بالکل بے بہرہ کیا جارہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسرا المیہ یہ ہے کہ مغرب کے ہاں بچوں کو قوموں کے عروج وزوال اور اپنی قوم کی بقا کے جو اصول دورانِ تعلیم ابتدا ہی میں ذہن نشین کرائے جاتے ہیں، جو آخر وقت تک ان کے لاشعور کا حصہ بن جاتے ہیں، جس سے ان کے قومی کردار کی تشکیل ہوتی ہے، تنظیم سازی کی صلاحیت ابھرتی ہے۔ ہر کام ظاہری طور پر سلیقہ سے سرانجام ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے، بدقسمتی سے ہماری نسلوں کو مغرب کے ان قومی نوعیت کے مثبت اصولوں سے بھی محروم رکھا جاتا ہے، اپنی پاکیزہ تہذیب اور اس کے بنیادی اصولوں وتعلیمات سے محرومی تو ہے ہی، کم از کم انہیں قوموں کے عروج وزوال کے حوالے سے انسانی تاریخ کے طویل تجربات ومشاہدات کے نقطہ نظر سے مغرب ہی کے مثبت اصولوں سے آشنا کیا جاتا، اور اس اعتبار سے ان کی تربیت کی جاتی تو بھی ہمارا سیاسی نظام رشوت، بدنظمی، افراتفری، قوم وملت کو نقصان پہنچا کر، اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل، جھوٹ، ملاوٹ، کاروباری بددیانتی، سرکاری افسروں کی طرف سے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں آخری حد تک نااہلی، سرکاری خزانہ کی لوٹ مار اور قوم کو پامال کر کے مالدار تر بننے کا جنون تو پیدا نہ ہوتا۔

افسوس اور دکھ کی بات یہ ہے کہ ملک میں ہزاروں کی تعداد میں جو پرائیویٹ تعلیمی ادارے وجود میں آگئے ہیں، لگ بھگ ان سب کے سامنے ایک ہی مقصد پیش نظر ہے کہ طلبہ سے بھاری فیس کے ذریعہ کس طرح دولت کمائی جائے۔ بچوں کی بہتر سمت میں تربیت اور ان کی مثبت ذہن سازی اور ان پر اپنی تہذیب کے نقوش وخطوط مستحکم کرنا، ان میں سے کوئی ایک چیز بھی نہ تو سرکاری تعلیمی اداروں کے پیش نظر ہے اور نہ ہی پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے سامنے ہے۔

اس سے ہمارے تعلیم ساز افراد کی افلاسِ ذہنیت ظاہر ہوتی ہے، جو تعلیمی ادارے قوم کو تہذیبی اور تربیتی اعتبار سے خالی ذہن، مغرب کی مادہ پرست فکر وتہذیب کے دلدادہ اور پیٹ اور جنس کے علاوہ پاکیزہ نصب العین سے عاری نسلیں فراہم کرتے ہوں، ان تعلیمی اداروں کے سربراہ اور پالیسی ساز افراد ملک وملت کے ساتھ اتنی بڑی بدخواہی کررہے ہیں کہ ان کی یہ حرکت ملت کی بنیادوں کو اکھاڑنے اور مثبت اصولوں کی حامل قوم کا غلام بنانے کے مترادف ہے۔ یہ ایسا ناقابل معافی جرم ہے، جس کی جتنی بھی سزا مل سکے وہ کم ہے، اس سلسلہ میں بندہ مومن کی تشویش اور اضطراب اور آہ کے اگر کچھ اثرات واجزاء ہی تعلیمی اداروں کے سربراہوں تک پہنچ سکیں تو شاید ان کی بیداری کی کچھ نہ کچھ صورت پیدا ہو سکے، کسی بھی ملت کے افراد اپنی نسلوں کی تباہی کے فیصلے کرنے کے متحمل نہیں ہوتے، لیکن بدقسمتی سے اس سلسلہ میں ہمارے ملک کے ذمہ داروں کی بے حسی، افلاس فکر، غیر ذمہ داری اور غیر سنجیدگی ساری سرحدوں کو عبور کر چکی ہے۔ ان حالات میں بندہ مومن اللہ ہی سے فریاد کرتا ہے کہ وہ حکمرانوں اور ریاست اور تعلیم کے ذمہ داروں کو عقل وفہم عطا فرمائے، تاکہ وہ تعلیم کے ذریعہ معاشرے کو بہتر افسر، بہتر حکمران، بہتر تاجر، بہتر استاد، بہتر دانشور واہل علم فراہم کرسکیں۔

اخوان المسلموں کے کام پر ایک نظر

۷۷۔ اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے اخوان المسلمون کا ذکر کریں گے۔ اخوان المسلمون پورے عالم عرب میں دعوت دین کے محاذ پر پچھلے ستر اسی سال سے سرگرم ہے، اس نے مغربی فکر اور مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگے ہوئے لاکھوں افراد کی اصلاح کا کارنامہ سرانجام دیا ہے اور عالم عرب میں اٹھنے والی ملحدانہ اور لادینی تحریکوں کا بہت بہتر طور پر مقابلہ کیا ہے اور ساٹھ ستر سال تک مسلسل حکمرانوں کے ہر طرح کے ظلم وستم پر صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اخوان المسلمون چونکہ غلبہ دین کی علمبردار ہے اور وہ جذبہ جہاد سے سرشار ہے، مصر، اسرائیل سے سرحدی اعتبار سے قریب ہے، اس قربت کی وجہ سے اسرائیل، اخوان المسلمون کو پہلے ہی دن سے اپنے وجود کے لئے خطرہ سمجھتا رہا ہے اور امریکہ، اسرائیل کا سب سے بڑا سرپرست اور اس کا سب سے بڑا محافظ ہے، اس لئے امریکہ نے اپنے آلہ کار حکمرانوں کے ذریعہ ہر دور میں اخوان المسلمون کو کچلنے اور ان کی قوت کو مفلوج کرنے اور ان پر ہر طرح کا ظلم

وستم روا رکھنے کی کاوش کی ہے اور اس سلسلہ میں اس نے مصر کے فوجی حکمرانوں کی مالدار عرب ریاستوں اور خود اپنی طرف سے اربہا ڈالر کی امداد کی۔

اخوان المسلمون کا تربیتی نظام اس کے بانی حسن البناء نے تشکیل دیا تھا، حسن البناء بنیادی طو پر صوفی تھے، مصر میں جدیدیت کے بڑھتے ہوئے طوفان کی روک تھام کے لئے انہوں نے اخوان المسلمون کے نام سے تنظیم قائم کرکے اس کی بنیادوں میں کارکنوں کی مضبوط ذہنی تربیت، تعلق باللہ کا خصوصی اہتمام، کارکنوں کی باہم ایک دوسرے سے والہانہ محبت، عصر سے عشاء تک روزانہ ذکر وفکر کا خصوصی اہتمام اور جدید اور قدیم کفر سے نفرت اور اس کے خلاف جذبہ جہاد جیسی ساری چیزیں اخوان کی تنظیم کا حصہ رہی ہیں۔

حسن البناء کو ۱۹۴۸ء میں ایک سازش کے تحت شہید کیا گیا۔ حسن البناء کی تنظیم کی فکری بنیاد بھی صحیح تھی، اور وہ وہی تھیں، جو صحیح اسلامی تحریک کی ہونی چاہئے تھی، لیکن ان کی حکمت عملی میں ایک نقص موجود تھا، جسے انہوں نے عمر کے آخری حصہ میں شدت سے محسوس کیا تھا، وہ یہ تھا کہ انہوں نے معاشرے کو نچلی سطح پر بدلنے اور دعوتی کام کے ہمہ جہتی پھیلاؤ سے پہلے ہی مقامی حکمرانوں اور کفر کی عالمی قوت اور اسرائیل کو چیلنج دینے کی حکمت عملی اختیار کی اور اقتدار کی تبدیلی کے کام کو قبل از وقت ہاتھ میں لیا، چنانچہ پچاس کی دہائی میں اخوان نے اپنے فکر کے حامل بعض فوجیوں کے ساتھ مل کر فوجی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی، جس میں ناکامی کے بعد اخوان پچھلے ساٹھ سال سے مسلسل آزمائشوں سے دوچار ہیں۔

حکمت عملی کی اس غلطی میں اُس وقت مزید تیزی آئی، جب سید قطب نے مولانا مودودی کی فکر کے زیر اثر نظام کی اسلامی بنیادوں پر تبدیلی یعنی حکومت الٰہیہ کے قیام کے کام کو دین کے نصب العینی کام کی حیثیت سے شدت سے پیش کیا، سید قطب کی اس فکر نے اخوان المسلمون کے رخ کو سیاسی تبدیلی کے کام کی طرف موڑنے میں مزید اہم کردار ادا کیا۔

جماعت اسلامی کا کام اور اس کی فکر
ایک نظر میں

۷۸۔اخوان المسلمون کے بعد ہم جماعت اسلامی کا ذکر کریں گے، مولانا

مودودی نے اپنی فکر اور بعد میں جماعت اسلامی کے ذریعہ برصغیر ہند بلکہ پورے عالم اسلام میں جدید مادی فکر کے سامنے بند باندھنے اور تہذیب جدید اور اس کی فکری یلغار کے مقابلہ میں مغربی تعلیم یافتہ افراد کو اسلامی نقطہ نگاہ سے مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جوں جوں جدید تعلیم عام ہو رہی تھی، مغربی فکر اور جدید مادی نظریات اسی حساب سے جدید تعلیم یافتہ افراد میں بڑھ رہے تھے۔ اس اعتبار سے جدید طبقات کو مغربی فکر کی کمزوریوں پر تنقید کرکے اسلام پر ان کے اعتماد کو بحال کرنے میں مولانا مودودی اور ان کی قائم کردہ جماعت اسلامی نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ مولانا مودودی کا یہ لٹریچر عربی اور انگریزی میں بھی چھپنا شروع ہو گیا تھا۔ اس طرح مولانا مودودی عالم اسلام میں مغربی فکر کے سب سے بڑے نقاد اور اسلامی حکومت کے قیام کے سب سے بڑے علمبردار کی حیثیت سے سامنے آئے۔

مولانا مودودی کے اس کام کی اہمیت کا اندازہ وہی افراد لگا سکتے ہیں، جنہیں برصغیر ہند میں ہزاروں کمیونسٹ اور ملحد مسلمان دانشوروں، ادیبوں اور صحافیوں سے واسطہ پڑا ہے۔ فکری محاذ پر اگر مولانا مودودی کا یہ کام نہ ہوتا تو ہماری ذہین جدید نسلیں کافی بڑی تعداد میں کمیونسٹ اور ملحد بن چکی ہوتی، جس طرح صوبہ سندھ میں سندھی آبادی میں پچھلے ساٹھ سال کے دوران بن چکی ہیں۔

جماعت اسلامی نے سماجی اور رفاہی سطح پر بھی بڑے اچھے کام سرانجام دیئے ہیں۔ سیاسی سطح پر بھی اس کا کام قابل قدر ہے، لیکن جماعت اسلامی کے فکر کی ایک بڑی کمزوری جس نے سارے دینی طبقات میں جماعت اسلامی کے لئے ناراضگیاں اور اور ناپسندیدگی کے احساسات پیدا کئے اور جس کی وجہ سے جماعت کے کارکنوں کا اخلاقی اور روحانی تربیتی نظام مستحکم نہ ہو سکا، وہ یہ ہے کہ جماعت کی فکر میں حکومت الٰہیہ کے کام کو دین کے نصب العینی کام کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اسی پر اکتفا نہیں ہوا، بلکہ ذکر وفکر، تعلق باللہ کے اہم ذرائع اہل اللہ کی صحبت، نوافل اور اذکار کو نہ صرف یہ کہ قابل ذکر اہمیت نہیں دی گئی، بلکہ لٹریچر میں ایک اعتبار سے ان چیزوں کی نفی کا تاثر پایا جاتا ہے، سارے دینی حلقوں کو اس بات کا تلخ تجربہ ومشاہدہ ہوتا رہا ہے کہ اللہ کے ذکر کی اہمیت اور اہل اللہ کی صحبت کی ضرورت کی بات جب بھی اور جہاں بھی اور جس سطح پر بھی ہوئی، وہاں جماعت اسلامی سے وابستہ افراد نے اس کی سب سے زیادہ مزاحمت کی، اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ غلبہ دین اور حکومت الٰہیہ کے قیام کی جدوجہد کے کام ہی کو سب سے بڑا ذکر سمجھتے ہیں، ان کی نظر میں ہر وہ فرد جو اللہ کے کثرت ذکر اور

صحبت اہل اللہ کے ذریعہ اللہ کی راہ محبت میں چلنے کی دعوت دیتا ہے، وہ ہمیں غلبہ دین کے کام سے (جو دین کا نصب العینی کام ہے) روکنے کا کردار ادا کرتا ہے۔

یہ فکری مغالطہ ایسا ہے، جس نے جماعت اسلامی کے کارکنوں بلکہ لیڈر شپ تک کی مضبوط بنیادوں پر پاکیزہ اخلاقی وروحانی تربیت کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کی ہیں۔

قرآن وحدیث اللہ کے کثرت ذکر کی تعلیمات سے بھرے ہوئے ہیں، ''ذکر کرنے والا زندہ ہے، ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔''

''اے ایمان والو، جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور وہاں بھی کثرت سے اللہ کا ذکر کرو'' اس طرح کی بہت ساری واضح احادیث اور آیات کے باوجود ذکر کی بات سنتے ہی ردعمل کا شکار ہونا، یہ حقیقی اسلامی تحریک کے مزاج کے منافی ہے، اس طرح کے مزاج سے کوئی بھی اسلامی تحریک اپنے کارکنوں میں رواداری، محبت، شفقت اور کریمانہ اخلاق (جو غلبہ اسلام کی جدوجہد کے لئے ناگزیر ہیں) اپنے کارکنوں میں پیدا نہیں کرسکتی، چودہ سو سال سے تحریک احیائے دین کی جو بھی تحریکیں برپا ہوئی ہیں، اس سب کی بنیاد میں صحبت اہل اللہ اور ذکر کے مجاہدے شامل رہے ہیں، کاش جماعت اسلامی کے اہل علم واہل فکر ایک داعی کی اس دردمندانہ صدا پر توجہ دے کر اس سلسلہ میں اپنی فکر پر از سر نو غور وفکر کا عمل شروع کردیں۔

تبلیغی جماعت کے کام کا جائزہ

۷۹۔ تبلیغی جماعت، ملت اسلامیہ کا ایک بڑا سرمایہ ہے، جو مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے، مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ بڑے صوفی بھی تھے اور راسخون فی العلم میں شامل تھے، انہوں نے تبلیغی جماعت کے ذریعہ ملت میں موجود اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کی، جو جدیدیت کے اثرات کی وجہ سے معاشرہ میں حقیقی اہل تصوف کو مسترد کرنے اور ان کے فیوض سے عدم استفادہ کی بڑھتی ہوئی ذہنیت کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے، الحمدللہ تبلیغی جماعت نے دعوتی محاذ پر غیر معمولی کارنامے سرانجام دیئے ہیں، اس کی وجہ سے اصلاح کی لہر پیدا ہوئی ہے، لاکھوں افراد کی دین سے وابستگی قائم ہوئی ہے، دینی مدارس میں رونق پیدا ہوئی ہے کہ تبلیغ سے وابستہ افراد کے مالی تعاون سے مدارس میں توسیع ہوتی رہی ہے اور مدارس کو بڑی تعداد میں طلبہ بھی دستیاب ہوتے رہے ہیں۔

تبلیغی جماعت کے کام کی وجہ سے مساجد بھی آباد ہونا شروع ہوئی ہیں، لیکن

ہماری نظر میں تبلیغی جماعت معاشرے کی تبدیلی کے سلسلہ میں اگر فیصلہ کن کردار ادا کرنے میں زیادہ پیش قدمی نہ کرسکی ہے تو خارجی اسباب کے ساتھ اس کے بعض داخلی بھی ہیں، ایک بڑا سبب یہ ہے کہ دعوت کو ایک اہم دینی فریضہ کی حیثیت سے پیش کرنے کی بجائے دین کے سارے کاموں پر مرکزی کام کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، پانچوں وقت کی نماز کے موقع پر ان کے حلقہ میں جو بھی گفتگو ہوتی ہے، اس کا محور دعوت کا کام ہی ہوتا ہے، تزکیہ، اصلاح نفس اور اللہ کا ذکر یہ ایسی چیزیں ہیں جو دعوتی کام کے جوش اور غلبہ میں ثانوی حیثیت اختیار کرچکی ہے، ذکر کی کل تین تسبیحیں ہیں، جس کا ذکر کیا جاتا ہے، حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل ذکر پر جو جامع کتاب تیار کی ہے، جو فضائل اعمال میں شامل ہے، ذکر کے اس حصہ کو اجتماعی حلقہ میں پڑھنے کی بہت کم نوبت آتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ مقامی ذمہ دار یہ سمجھتے ہیں کہ ذکر کی زیادہ اہمیت اجاگر کرنے سے دعوتی کام کی اہمیت کم ہوگی اور تبلیغی کارکن ذکر کی طرف نکل جائیں گے۔

یہ بڑی غلط فہمی ہے جو علماء واہل اللہ کی صحبت کی کمی اور سادہ ذہن اور سادگی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، ذکر کے عدم استحکام اور مسلسل دعوتی بات کرتے رہنے کا ایک نقصان جو ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ تبلیغ سے وابستہ افراد اپنے محلّہ میں سیرت وکردار میں پاکیزگی کے اعتبار سے متعارف نہیں ہوئے، ان کے چہروں پر مسکراہٹ بہت کم دیکھی گئی ہے، ذکر کے بغیر سیرت وکردار میں پاکیزگی اور بلندی کا پیدا ہونا دشوار تر بات ہے۔

تبلیغ میں دوسری چیز جو شدت سے محسوس ہوئی ہے، وہ علم کی کمی ہے، دعوتی بات کے علاوہ ذہنی اور علمی معیار کو بڑھانے کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

سلف صالحین نے قرآن وسنت سے دین کی جو ترتیب متعین کی ہے، اس میں سب سے پہلی چیز اپنی ذاتی اصلاح اور اپنا تزکیہ ہے، اپنے تزکیہ سے زیادہ دوسروں کی فکر کا مطلب اپنے جسم پر بیٹھے ہوئے سانپ کو مارنے کی فکر کی بجائے دوسروں کے جسم پر بیٹھی ہوئی مکھیوں کو ہٹانے کی فکر غالب ہوجائے۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے سامنے بھی تبلیغی کام سے اصل مقصود تبلیغ کے لئے نکلنے والے افراد کی اپنی اصلاح ہی تھی، اس لئے آپ نے تبلیغ میں ذکر کو فیصلہ کن اہمیت دی تھی، فرمایا تھا: اگر تبلیغ سے ذکر اور علم رخصت ہوگا تو تبلیغ آوارہ گردی ہوجائے گی۔

اگرچہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ جماعت کے جو بنیادی اصول

متعین فرمائے تھے، وہ سب اصلاح اور تزکیہ کے لئے مؤثر تھے، اور اب بھی مؤثر ہیں، ان اصولوں میں اکرام مسلم، دوسروں کی تکریم، خدمت اور ذکر وغیرہ شامل ہیں، لیکن جماعت سے وابستہ افراد کی کثرت اور نئے لوگوں کی تربیت کی کمی اور دعوتی جوش وخروش کی وجہ سے اصلاح، تربیت اور تزکیہ کا عمل متاثر ہوا ہے، اس کمزوری کے باوجود ہماری نظر میں دعوتی نقطہ نگاہ سے تبلیغی جماعت کی طرف سے عالمی سطح پر ہونے والا کام ایسا ہے، جو غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، لاکھوں افراد کو اسلام کے بنیادی فرائض کی طرف لانا اور مساجد سے جوڑنے کے عمل کو جاری رکھنا، یہ تجدیدی نوعیت کا کام ہے، کمزوریوں اور نقائص کی نشاندہی سے ہمارا مقصود تبلیغ میں مزید بہتری کا پیدا ہونا ہے، نہ کہ ایک مؤثر دعوتی تحریک کی تحقیر کرنا ہے، اس تنقید میں بھی زیادتی کی بنا پر ہم اللہ کی بارگاہ سے معافی کے ملتجی ہیں۔

بزرگی کے سستا ہونے اور اس کے معیار کے گرنے کا المیہ

۸۰۔ بندہ مؤمن کے لئے ایک بڑی فکرمندی کی بات یہ ہے کہ اس دور میں بزرگی کو بہت ہلکا اور سستا کردیا گیا ہے اور خلافت کی تقسیم میں غیر معمولی فیاضی کا مظاہرہ ہوا ہے، جس کی وجہ سے جگہ جگہ بزرگوں کے نئے نئے خلیفہ سامنے آکر اکابر بزرگوں کی مسند پر فائز ہوگئے ہیں۔

تصوف کی پوری تاریخ میں خلافت اور بزرگی اتنی سستی کبھی نہیں ہوئی، جو اس دور میں ہوئی ہے، اس سلسلہ میں جب کتابوں میں اکابر بزرگوں کے حالات وواقعات پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی بزرگ نے پچاس سال تک شب وروز کے مجاہدے کئے تو کسی نے پچیس سال تک، اس کے بعد کہیں جاکر ان کے سلوک کی تکمیل ہوئی اور وہ حالت فنا سے حالت بقا میں آئے اور دوسروں کی تربیت کے مقام پر فائز ہوئے، اکابر بزرگوں نے راہ سلوک طے کرنے کے لئے مجاہدوں کا جو معیار اور جو دورانیہ متعین کیا ہے، اس دور میں اس کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے کہ بزرگی کے نام پر شہرت اور دولت کی ریس کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے، اور سیرت وکردار کے معیار میں بہت پستی آئی ہے، یہ چیز تصوف واہل تصوف کے لئے بدنامی اور امت کے اس مسلمہ تربیتی ادارہ سے بدظنی اور اس سے دوری کا موجب بن گئی ہے، ساتھ ساتھ بزرگی کے نام پر افراد، حب جاہ وحب مال وغیرہ کے خطرات سے دوچار ہوگئے ہیں، اس کا تیسرا بڑا نقصان جو ہورہا ہے، وہ یہ ہے کہ معاشرہ کو دینی، اخلاقی اور روحانی طور پر سنبھالنے میں ناکامی کا سامنا

ہے۔

پہلے ایک بزرگ کی ساری زندگی کی کاوشوں کا حاصل مشکل سے دوچار بزرگ ہوتے تھے، یہ دوچار بزرگ سیرت وکردار کے اعتبار سے پاکیزہ ہوتے تھے اور ان کا باطن اتنا پاک وصاف اور منور ہوتا تھا کہ افراد معاشرہ کی زندگیاں بدلنا شروع ہوجاتی تھی، اب صورتحال اس کے بالکل برعکس ہے۔

تصوف کے معیار کا گرنا، یہ بڑی تشویش کی بات ہے، ہماری اس تنقید سے یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ معاشرہ اب فقیر منش اور دنیا سے مستغنی بزرگوں سے خالی ہوگیا ہے، ایسا ہرگز نہیں، الحمدللہ معاشرے میں اب بھی ایسے بزرگ موجود ہیں، جو قیامت تک موجود رہیں گے، لیکن وہ اپنی سادگی، شہرت سے بے نیازی، اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے وہ جان بوجھ کر چھپ گئے ہیں، چونکہ معاشرہ۔ کسی طور پر اس طرح کے فقیر منش بزرگوں کی نہ تو ضرورت محسوس کرتا ہے اور نہ ہی افراد میں اس کی طلب موجود ہے، اس لئے ایسے افراد کا چھپنا ضروری بھی ہے۔

بندہ مؤمن کو تشویش ہے کہ حقیقی تصوف کے نام پر خام اور مصنوعی تصوف کی رونق کا نتیجہ ہے کہ معاشرہ حقیقی اصلاح کے اعتبار سے بہت تشویشناک صورتحال سے دوچار ہے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ قومی وملی سطح پر ہمیں ایسے بزرگ عطا فرمائے، جو اکابر بزرگوں کا مثالی نمونہ ہوں۔

درویشوں کی صحبت کے بغیر نفسی قوتوں اور مادیت پسند قوتوں سے معرکہ آرائی کا مشکل ہونا

۸۱۔ بندہ مؤمن کی نظر میں مادیت کی موجودہ طوفانی لہریں ایسی شدید ہیں کہ ان طغیانی لہروں سے درویشوں کی صحبت اور ذکر وفکر کے مجاہدوں کے بغیر بچنا انتہائی دشوار بات ہے، محض علم، عقلیت اور کتابوں کے مطالعہ سے مادیت کی ان خوفناک طوفانی لہروں سے بچنا ممکن نہیں، اول تو نفس کی قوت خود سارے درندوں سے زیادہ طاقتور ہے، دوم شیطان کی یلغار بھی خطرناک ہے، سوم دجالی تہذیب کے علمبرداروں نے انسان کو گمراہ کرنے، اسے ریغمال بنانے، اسے مادیت اور مادی حسن اور مادی اشیاء پر فریفتہ کرنے، اس کے جنسی جذبات کو بڑھکانے اور دنیا کے مستقبل کو روشن بنانے کے حوالے سے اس کی حسوں کو اتنا تیز کردیا ہے کہ فرد پر شب وروز یہی جذبات غالب

ہوگئے ہیں اور مادی خوشحالی اور دنیاوی زندگی کی بہتری، اس کے لئے زندگی اور موت کے سوال کی حیثیت حاصل کر چکا ہے، یعنی فرد وافراد کی نظر میں مادی حسن سے بہرہ وری اور مادی آسائشوں کے بغیر زندگی بے معنی ہوگئی ہے، ان حالات میں مادیت کے طلسم اور نفسی قوتوں سے بچاؤ کی صورت یہی ہے کہ فرد، حقیقی اہل اللہ، جو صاحب فقر بھی ہو، اس کی زیر صحبت ذکر وفکر کے مجاہدوں سے کام لے، ذکر وفکر کے یہ مجاہدے اس کے باطن ولاشعور کو نئے حسن سے فیضیاب اور روشن کرنے اور اسے حلاوت ومسرت کی نئی دنیا سے آشنا کرنے اور مادی حسن اور مادی آسائشوں سے ازخود دستبردار کرنے کا موجب بنیں گے۔

دنیا داروں کی پسندیدہ چیزوں سے ناپسندیدگی کے بغیر نفس نہیں سنورتا

۸۲۔حقیقی داعی، جو دعوتی کام میں فنا ہوتا ہے اور حقیقی صوفی جو ذکر وفکر کے مجاہدوں میں مستغرق ہوتا ہے، اس کے دل پر دنیا کے استغنا کے حوالے سے قرآن وسنت کے جو حقائق منکشف ہوتے ہیں وہ بہت اہم حقائق ہیں۔

ایک اہم نکتہ جو اس پر مشاہد ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جو چیزیں دنیا داروں کی پسندیدہ ہیں اور جن پر وہ مر مٹتے ہیں، جب تک داعی وصوفی کے دل میں ان چیزوں سے ناپسندیدگی اور کراہت کے جذبات پیدا نہیں ہوتے، تب تک نفس کے سنورنے اور اس کی تہذیب وتزکیہ کا عمل مکمل نہیں ہوتا۔ داعی وصوفی، حقیقی داعی وصوفی اس وقت بنتا ہے، جب دنیاداروں کی چاہت اور اس کی چاہت کے درمیان بنیادی فرق اور فاصلہ واقع ہوتا ہے۔ دنیا دار پر دنیا کی راحتوں وآسائشوں کے تفکرات غالب رہتے ہیں، وہ اسی اڈھیر بن میں رہتا ہے کہ زیب وزینت کے فلاں فلاں سامان کی کمی ہے، وہ اپنے ہاں ہونے چاہئے، یا بنک میں لاکھوں کروڑوں روپے جمع ہونے چاہئے، جو نہیں ہیں، بہتر سے بہتر اور نئے ماڈل کی گاڑیوں اور خوبصورت بنگلوں کی فکر سے وہ آزاد ہی نہیں ہو پاتا، اگر یہ چیزیں اسے حاصل نہیں ہوتی تو وہ ان کے حصول کی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے۔ اگر داعی وصوفی پر اپنے معیار زندگی کو بلند سے بلند تر کرنے کی فکر غالب ہے اور مادی چیزوں کے شوق نے اسے گھیر لیا ہے تو ایسا داعی نفس وشیطان کے مکروفریب سے بچ سکے، محال ہے۔

یہ ایسا نکتہ ہے جو قرآن اور احادیث میں بار بار مختلف طریقوں سے پیش کیا گیا ہے، حقیقی داعی اور صوفی کے دل پر یہ نکتہ دوران مجاہدہ بہت مؤثر طور پر واضح ہوتا رہتا ہے، اس لئے وہ دل کے فتویٰ پر عمل پیرا ہوکر، دنیا داری کے اس اندازِ فکر کو مسترد کرتا ہے اور وہ دنیا کے عیش وآرام اور راحت کے سامان کی فکر سے آزاد ہوکر، آخرت کی دائمی راحت کی فکر سے سرشار ہوتا ہے۔ داعی وصوفی جب تک دل سے دنیا کی محبت، اس کے عیش وآرام کی فکر کو نکالنے اور دنیاداروں کی پسندیدہ چیزوں کی کراہت وبیزاری کے احساسات کا حامل نہیں ہوتا اور فقر وزہد اور صبر وشکر اور تھوڑے پر راضی رہنے کی نفسیات کا حامل نہیں ہوتا، تب تک وہ نفس وشیطان کے زیر اثر رہتا ہے۔

اس صورت میں اس کی بات تاثیر سے خالی ہوتی ہے، اس حالت میں اسے دوسروں کی فکر سے زیادہ اپنی نجات کی فکر کرنی چاہئے۔ یہ وہ اہم نکتہ ہے جو حقیقی داعی اور حقیقی صوفی کے دل پر مسلسل مجاہدوں کے نتیجہ میں منکشف ہوتا ہے۔ منکشف ہی نہیں، بلکہ نقش ہوتا ہے۔ (حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب کے خط کا جو طویل اقتباس اوپر پیش کیا گیا، اس میں بھی آں موصوف نے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے۔)

حقیقی داعی وصوفی کا بیان کردہ یہ نکتہ ایسا ہے کہ اندر میں ڈوب کر جب ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مجھ جیسا فرد تو اس اعتبار سے ابھی مبتدی کے مقام پر فائز ہے اور دنیا کی راحت وزیب وزینت کا سامان تو اسے فکرمند کر دیتا ہے اور وہ اچھی سی اچھی گاڑیوں اور بہتر سے بہتر مکان کی فکر میں رہتا ہے۔ اللہ کی ذات سے کیا بعید ہے کہ وہ اصلاح کی طلب وفکر مندی اور اللہ والوں کی صحبت سے مجھ جیسے سیاہ کار کے نفس کے سنورنے کی صورت پیدا فرمائے۔

دعوتی کام کے لئے ضروری صفات حضرت مولانا سعید احمد خان کی نظر میں

۸۳۔مولانا سعید احمد خان صاحب کا ایک تفصیلی خط مولانا عیسیٰ (منصوری) کے نام ہے، اس خط میں دعوتی کام کی فیصلہ کن اہمیت، اس کام کو اصولوں اور اخلاص کے ساتھ عالمی سطح پر کرتے رہنے کے نتیجہ میں امت اور انسانیت کی حالت کی تبدیلی اور اس پر پڑنے والے اثرات وبرکات کے موضوع پر تفصیلی بحث ہے۔

اس کام کے لئے جن صفات وخصوصیات کی ضرورت ہے، مولانا نے اس پر بھی

مفصل گفتگو فرمائی ہے۔ چونکہ خط طویل ہے، اس لئے ہم ان صفات کا خلاصہ بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، تاکہ قارئین بہت زیادہ تفصیل میں جائے بغیر اس خط کے اہم نکات سے استفادہ کرسکیں۔

”دوسروں کا اکرام کرنا اور ان کے قصوروں کو معاف کرنا، بلکہ اپنے ساتھ بُرائی کرنے والوں سے احسان کرنا، زہد اور استغنا کی راہ اختیار کرنا، اپنے ساتھیوں کو اپنے سے افضل سمجھنا، حکم کی لائین سے بچتے ہوئے ترغیب سے کام لینا، اپنی اس عاجزی کا مظاہرہ ہونا کہ میں دوسروں سے زیادہ خود اصلاح کا ضرورتمند ہوں، دنیا کے آنے سے خوف محسوس کرنا اور جانے سے خوشی کا ہونا، اپنی تھوڑی سی غلطی کا بھی احساس ہونا اور اس پر معافی مانگنے کی عادت کا ہونا، کسی کی تنبیہ کرنے سے اپنی فلاح خیال کرنا، کسی کی تعریف کرنے سے خوش نہ ہونا۔ اپنے، اندر نفاق کا خوف ہونا اور دوسروں میں اخلاص کا گمان ہونا، اپنی خواہش کو چھوڑ کر، بزرگوں کے اشارے پر چلنا، ہر وقت آخرت کے دھیان کو پیش نظر رکھنا، اپنی محنت اور کاوشوں کے ساتھ اپنی تقصیر کا اعتراف کرنا، فقط حق تعالیٰ سے کامیابی کا یقین رکھنا، اسباب (نصرت) کا علم ربی اختیار کرنا، نہ کہ ان اسباب کو کامیابی کا درجہ قرار دینا، کلام میں نرمی کا ہونا، دل میں شفقت کا ہونا، دماغ میں حسن ظن، قلب میں وسعت حلم پیدا ہونا، اس راہ کے فاقے اور تکالیف، راحت وآرام اور عیش وعشرت دنیا سے زیادہ قیمتی نظر آنا، مگر اپنے میں تحمل وہمت نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اختیار کرنے سے خوف کا ہونا، ایسا طریق کار اختیار کرنا، جس سے جماعت (ساتھیوں) میں تفریق پیدا نہ ہو۔

یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو بڑی قربانی وجدوجہد آہ وبکا اور عاجزی وانکساری کی متقاضی ہیں۔ اس کے بعد بزرگوں کی نگرانی ضروری ہے۔“ (مکتوبات، حضرت مولانا سعید احمد خان صفحہ ۱۴۳۔۱۸۴ حصہ دوم)

خوف، بھوک اور جان ومال کے نقصان کی

گھاٹیوں سے نکالنے کی صورت

۸۴۔ ذکر وفکر کے مجاہدوں اور خود احتسابی کے ساتھ دعوتی کام میں فنائیت کے نتیجے میں ایک بڑی نعمت جو اللہ کی طرف سے فرد کو عطا ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اسے تین گھاٹیوں سے نکال دیا جاتا ہے، ایک خوف کی گھاٹی ہے، جس میں لگ بھگ ہر فرد مبتلا

ہوتا ہے اور جو خوف ہر فرد کے دل کو اضطراب سے بھر دیتا ہے، اور اس سے سکون کی دولت سلب کر لی جاتی ہے۔ کسی کو مستقبل کا خوف ہے تو کسی کو جان ومال کے نقصان کا خوف ہے۔ کوئی ملک کے مستقبل کے بارے میں خوف زدہ ہے تو کوئی کاروبار اور ملازمت کے بارے میں غیر یقینی حالت سے دوچار ہے۔

دوسری چیز بھوک کی گھاٹی ہے، جسے معاشی خوف بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ خوف بھی ایسا ہے، جس میں لگ بھگ ہر فرد مبتلا ہے، اس کے پاس چاہے کتنی ہی دولت ہو۔ اس کے باوجود وہ اس دولت کے حوالے سے فکرمند ہوتا ہے کہ کہیں یہ ضایع نہ ہوجائے۔ کہیں یہ دولت سلب نہ ہوجائے۔ اور زمانہ کی آفتوں کی شکار نہ ہوجائے اور میں بھوک کا شکار نہ ہوجاؤں، اگر غریب ہے تو اسے کل کی فکر ہے کہ کل کھانا نصیب بھی ہوگا یا نہیں، معلوم نہیں بچوں کی روزی کی صورت کیا ہوگی۔

تیسری گھاٹی جان ومال کے نقصان کی گھاٹی ہے، جس میں لگ بھگ ہم سب مبتلا ہیں۔

حقیقی صوفی اور حقیقی داعی جو اپنے آپ کو اللہ کے لئے پامال کر چکا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ان تینوں گھاٹیوں سے حفاظت سے گزار لیتا ہے۔ اسے ان سارے معاملات میں سکون وسکینت اور یقین کامل کی دولت عطا فرماتا ہے۔ اسے کل کی فکر سے آزاد کر لیتا ہے۔ خوف کی جگہ اس پر امید کی حالت غالب کردیتا ہے اور اسے جان ومال کی فکرمندی سے آزاد کرلیتا ہے۔ اس پر صرف ایک ہی فکر غالب رہتی ہے کہ میرا محبوب مجھ سے راضی رہے، اس کی ساری زندگی، ساری جدوجہد اور ساری فکرمندی اس کی رضامندی ہی سے وابستہ ہوتی ہے۔

دین کے حقیقی فہم کی سعادت

کا ساری سعادتوں پر بھاری ہونا

۸۵۔ حدیث شریف ہے من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین. (اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کرنا چاہتا ہے، اسے دین کی (حقیقی) سمجھ عطا فرماتا ہے۔)

دین کے حقیقی فہم کا عطا ہونا، یہ اللہ کی سب سے بڑی نعمتوں میں شامل ہے۔ اور یہ اللہ کا بڑا انعام ہے، جو وہ اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے، دین کے حقیقی فہم کا مطلب یہ ہے کہ فرد پر یہ واضح ہوجائے کہ دین کا حقیقی نصب العین کیا ہے، دین کی صحیح ترتیب کیا ہے، دین کے فرائض وواجبات اور سنن کی ترتیب کیا ہے، نیز دین کے جزوی

وفروعی مسائل، کہیں فرائض وواجبات کی حیثیت کے حامل نہ ہوجائیں۔

بالخصوص اس دور میں فہم دین کی اہمیت غیر معمولی حیثیت اختیار کرچکی ہے۔ اس لئے کہ آج کل کہیں دین کے نام پر سیاسی جدوجہد، دین کے نصب العینی کام کی حیثیت اختیار کرچکی ہے کہ ساری توانائیاں اس میں صرف ہورہی ہیں اور دین کے دوسرے کاموں کو اس کام کی ذیلی حیثیت دی گئی ہے۔ کہیں قرآن وسنت کے ظاہری الفاظ کو حقیقی مفہوم کی حیثیت دے کر ظاہری احکام کی بنیاد پر ملت کے دوسرے سارے طبقات کے اسلام کو مشکوک سمجھنے، بلکہ ان کی تکذیب کی روش غالب ہے۔ کہیں دین کے کلامی وفلسفیانہ نوعیت کے مسائل پر ایک دوسرے سے تصادم جاری ہے تو کہیں دین کے نام پر تجدد پسندی کا غلبہ ہے کہ اسلام کی جدیدیت کے ایڈیشن کی کوششیں جاری ہیں۔

دین کے نام پر اس طرح کی کوششیں ہر دور میں ہوتی رہی ہیں، خارجیت، معتزلہ اور اس طرح کے سینکڑوں گروہ دین کے نام پر موجود رہے ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے دین کے حقیقی فہم سے محرومی کا۔

اس پس منظر میں اس حدیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دین کا حقیقی فہم اللہ کے سب سے بڑے انعاموں میں شامل ہے کہ اس سے زندگی کا رخ قرآن وسنت کی روح اور سلف صالحین کی اسلامی فکر سے منسلک ہوتا ہے۔ دین کی نصب العینی فکر صحیح ہوتی ہے اور فرد، فرائض وواجبات کی ترتیب پر قائم رہتا ہے اور بھول بھلیوں میں پھنسے سے محفوظ رہتا ہے اور اس پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دین کی حقیقت توحید، تقویٰ، اللہ ورسول کی محبت واطاعت، فکر آخرت، فرائض وواجبات کی ادائیگی۔ منکر سے بچاؤ اور معروف کی تلقین وغیرہ سے وابستہ ہے۔ اس طرح فرد، دین کے نام پر افراط وتفریط سے بچ جاتا ہے اور سلف صالحین کی راہ پر گامزن ہوکر، بالآخر اللہ سے ملاقاتی ہوجاتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ جیسے سیاہ کار اور دینی علوم سے بے بہرہ فرد کو بھی دین کا حقیقی فہم عطا فرمائے۔

حقیقی اہل اللہ کی قدر وقیمت کے بغیر جماعتوں کی حالت

۸۶۔ بندہ مؤمن کی نظر میں جس جماعت وادارے کو نفس اور نفسیات سے پاک اور محض اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے کے پاکیزہ جذبات کی حامل شخصیت کی سرپرستی حاصل نہیں، بلکہ زیادہ بہتر الفاظ میں جس جماعت میں دنیا کی راحت وآسائش

کے سامان کو ناپسندیدہ اور زہد وفقر اور حکمت کی حامل شخصیت کی قدر وقیمت نہیں، اور اس کے مشوروں اور اس کی رہنمائی کی صورت حاصل نہیں، وہ جماعت دنیا داری کی راہ سے بچ کر، محض اللہ کے لئے جینے ومرنے اور ملت کے صحیح اسلامی خطوط پر گامزن ہو سکے، محال ہے، اس لئے کہ روشن ضمیر اور صاحب تزکیہ شخصیت اپنی روشن ضمیری کی وجہ سے نفس وشیطان کے ہر وار اور ہر بُرائی کے حملہ کا پوری طرح ادراک وفہم رکھتی ہے، وہ اللہ کے نور سے دیکھتی ہے، اس کا دل دنیا کی آلائشوں سے محفوظ ہوتا ہے، نفس وشیطان اور مادیت کے ایک ایک فتنہ پر اس کی نظر ہوتی ہے، اس طرح کی شخصیت کی رہنمائی، اس کی قدر وقیمت کے احساس کی وجہ سے جماعت پر اس کے فیوض وبرکات اور اس کے بے پناہ اخلاص وبے نفسی کے اثرات کی چھاپ پڑتی ہے، اس طرح جماعت، زمانہ کے فتنوں اور مادیت کی لہروں کی زد سے بچ کر، دین کی صحیح راہ پر گامزن ہونے لگتی ہے، جب کسی جماعت میں اس طرح کی صاحب دل شخصیت کی گنجائش موجود نہ ہو یا اس کی قدر وقیمت اور اس کی سرپرستی نہ ہو تو جماعتوں میں بے نفسی، للہیت اور نفس کی آمیزشوں کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت مفقود ہوجاتی ہے اور دین کے نام پر، فروغ اسلام اور دعوت اسلام کے نام پر اس میں دنیا داری کے اثرات اس طرح آنے لگتے ہیں کہ وہ ان کے اثراتِ بد کے ادراک سے ہی قاصر ہونے لگتی ہے، مثلا وہ دین کے نام پر خالص مالداروں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے میں قباحت محسوس نہیں کرتی، یا مثلاً وہ دل پر محنت کرنے کے کام کو غیر ضروری سمجھنے لگتی ہے، یا جماعت کے بنیادی اصولوں میں لچک کا مظاہرہ کرتے ہیں، یا جماعت میں عوامی رنگ پیدا کرنے کے لئے تربیتی نظام کو کمزور کردیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

یہ بہت اہم نکتہ ہے، جو بدقسمتی سے اس دور میں جماعتوں واداروں کے ذمہ داروں کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے، جس کی وجہ سے بظاہر سب کچھ ہونے کے باوجود بباطن جماعتیں خیر وبرکت سے محروم ہوجاتی ہیں اور جماعتوں سے وابستہ افراد کی ساری محنتوں کے باوجود دنیا داروں کی پسندیدہ چیزوں سے کراہت وناپسندیدگی پیدا ہونے نہیں پاتی۔

اللہ کی رضا کی خاطر طویل عرصہ تک نفسی قوتوں سے معرکہ آرائی کرکے، نفس کو پامال کرنے والے اہل اللہ جماعتوں واداروں کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتے ہیں، جب تک جماعتوں پر ان کے اخلاص کا سایہ قائم ہوتا ہے، تب تک جماعتوں میں خیر کا غلبہ موجود رہتا ہے، دوسری صورت میں جماعتیں خطرات سے دوچار ہونے لگتی ہیں۔

یہ نکتہ جتنا اہم ہے، اس دور میں اس کا ادراک اتنا ہی مفقود ہوگیا ہے، اس نکتہ پر

جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے، حقیقت یہ ہے کہ جماعتیں محض علم، ذہانت اور تجربہ سے نہیں چلتی، بلکہ ان کے لئے نفس کو سنوارنے، مہذب بنانے اور تزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے لئے دنیاوی آلودگیوں و آلائشوں سے حفاظت مطلوب ہوتی ہے، ان کے لئے اعلیٰ درجہ کی للھیت و بے نفسی کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے لئے مسلسل خود احتسابی کے عمل کے ذریعہ باطنی صلاحیتوں کی بیداری مطلوب ہوتی ہے، ان کے لئے باطنی حجابات کو دور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ سیرت پاک، صحابہ کرام اور سلف صالحین کی نورانی زندگیوں سے بھرپور استفادہ کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور ہوسکیں۔

طاغوت کی مختلف صورتیں

اور عہد جدید کے طاغوت کو سمجھنے کی ضرورت

۸۷۔قرآن میں طاغوت کی عبادت سے اجتناب اور اس سے انکار کی تعلیم دی گئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى. (سورہ الزمر آیت ۱۷) (جنھوں نے بتوں کی پوجا (عبادت) سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا تو ان کے لئے بشارت ہے)۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ. (سورہ النحل آیت نمبر ۳۵) (اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور بتوں کی پرستش سے اجتناب کرو)۔

موجودہ دور میں طاغوت ہمہ گیر صورت اختیار کرچکا ہے، اس نے پوری انسانیت کا احاطہ کرلیا ہے، جسے سمجھ کر اپنے اور اپنے متعلقین کے ایمان کی فکر کرنا ناگزیر ہے۔

طاغوت کی ایک صورت تو بت پرستی کی ہے، جو ہر دور میں موجود رہی ہے، طاغوت کی دوسری صورت نفس پرستی کی ہے کہ ہر وقت نفس کی پوجا کی فکر غالب ہو، طاغوت کی تیسری صورت جو اس دور کا خاصہ ہے، وہ جدید مادی نظریات ہیں، جن پر مغربی تہذیب کی عمارت قائم ہے، جدید مادی نظریات پر مشتمل یہ مادی تہذیب عالمگیریت کے غلبہ، طاقتور میڈیا، سرمایہ کے چند ہزار ملٹی نیشنلز کی طرف ارتکاز اور قوموں اور ملکوں کے لگ بھگ سارے اداروں کی سیکیولرزم کی بنیادوں پر تشکیل اور جدید نظام تعلیم سے عقیدہ توحید کو نکال کر، عقلیت کے غلبہ وغیرہ سے اس تہذیب نے پوری انسانیت کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے اور یہ تہذیب ایک نئے معبود کی صورت میں

سامنے آئی ہے، جس کی وجہ سے ہمارے اجتماعی ومعاشرتی معاملات سیکولرزم پر استوار ہوگئے ہیں، سودی کاروبار ہماری معیشت کا حصہ بن چکا ہے، مخلوط تعلیمی نظام ہماری پہچان بن چکی ہے، ہماری سیاست اور ہمارا سارا ریاستی وانتظامی نظام مغرب ہی سے ماخوذ ہے۔ ہمارے سارے مؤثر اور جدید طبقات مغربی افکار اور مغربی تہذیب سے نہ صرف مرعوب ہیں، بلکہ وہ اس پر فریفتہ ہیں، وہ کاروبار، تجارت، معاشرت اور اجتماعی معاملات میں اسلامی تعلیمات کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں۔

اس طرح مغربی تہذیب ایک طاقتور طاغوت کی صورت میں ہمارے لئے سب سے بڑے چیلینج کی حیثیت رکھتی ہے۔

بت پرستی سے ہماری نفرت فطری ہے کہ مسلمان کے لئے بتوں کے سامنے سجدہ ریزی کا منظر سب سے زیادہ مکروہ منظر ہے، لیکن مغربی تہذیب چونکہ بے لاگ خواہشات نفس کی تسکین اور مادی دنیا سے لذتوں سے آخری حد تک استفادہ اور نفسی بتوں کی خوبصورت شکل میں پرستش کی بدترین شکل ہے، اس لئے اس جدید طاغوت سے بچاؤ کی صورت دشوار تر ہوتی جارہی ہے، چونکہ اس تہذیب کی پشت پر انکار خدا اور انسان اور تخلیق کائنات کے بارے میں خالص ملحدانہ نظریات کارفرما ہیں، اس لئے یہ مادی تہذیب اپنے ساتھ ملحدانہ نظریات کا طوفان بھی ساتھ لائی ہے، جس طوفان میں ہماری جدید نسلیں تنکے کی طرح بہتی جارہی ہیں، ایک گروہ ایسا ہے، جو ڈارون کے ارتقائی نظریہ کو صحیح سمجھتا ہے کہ انسان، اللہ کی تخلیق کا شاہکار نہیں، بلکہ وہ بندر کی ارتقا یافتہ صورت ہے، ایک طبقہ وہ ہے جو تخلیق کائنات کے بارے میں کمیونزم کے ملحدانہ نظریہ پر یقین رکھتا ہے، ایک طبقہ ایسا ہے، جو انسانی مسائل کے حل کے لئے وحی کے ذریعہ ہونے والی رہنمائی کے بجائے سارے اجتماعی مسائل کے حل اور ریاستی نظام کی تشکیل میں عقلیت اور سیکولرزم کو ضروری سمجھتا ہے۔

طاغوت کی یہ سب سے خطرناک صورت ہے، جو اس دور میں پیدا ہوئی ہے، لگ بھگ ہمارے سارے مذہبی طبقات اس دور کے پیداوار اس طاغوت کی سنگین نوعیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ طاغوت مسلمانوں کو اپنے اسلامی نام تبدیل کرنے اور اس کے نام کا کلمہ پڑھنے اور ذاتی زندگی میں پوجا پاٹ کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے، اس کا کہنا ہے اپنے روح کی تسکین کے لئے زندگی کے محدود دائرہ و گوشہ میں وہ اوراد وظائف جس طرح بھی کرنا چاہتے ہیں، اس کی تمہیں اجازت ہے، لیکن ریاست کا سارا اجتماعی نظام اور زندگی کے سارے اجتماعی ومعاشرتی معاملات

ملحدانہ نظریات سے وجود میں آنے والی مادی تہذیب ہی پر استوار ہوں گے۔

طاغوت کی یہ بدترین شکل لگ بھگ سارے عالم اسلام پر مسلط کردی گئی ہے، جو سب سے بڑی المناک صورتحال ہے، ملت کو طاغوت کی اس بدترین صورت سے نجات دلانے کے لئے اسلامی فکر کے جدید ذہنی وعلمی صلاحیتوں کے حامل افراد جو اپنے تہذیبی ورثہ یعنی روحانی صلاحیتوں سے بھی بہرہ ور ہوں، وہی اس سلسلہ میں کوئی مؤثر کردار ادا کرسکتے ہیں، ورنہ مدارس سے وابستہ علماء کرام اس سلسلہ میں کوئی خاص کردار ادا نہیں کرسکتے، اس لئے کہ ان کے تعلیمی نظام میں جدید طاغوت کی فکری وعلمی بنیادوں کے فہم کی کوئی صورت موجود نہیں۔

مادی قوتوں کو شکست دینے میں
اللہ سے والہانہ محبت کا کردار

۸۸۔ بندہ مؤمن کی چاہت ہوتی ہے کہ اللہ کے بندے رسمی اسلام پر اکتفا کرنے کے بجائے اللہ سے والہانہ محبت کی راہ اختیار کریں۔

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَشَدُّ حُبّاً لِّلّٰهِ ۔ (مؤمن اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں۔)

اس آیت میں بندے کی بڑی علامت اللہ سے والہانہ محبت بتائی گئی ہے، اس لئے کہ محبت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مادیت، مادی قوتوں اور نفسانیت اور نفس کو قطع کرکے، شیطانی قوتوں کو مات دے کر، فرد کے لئے اللہ ورسول کی اطاعت کو آسان کردیتی ہے، محبت کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی زندگی حیاۃ طیبہ کی زندگی ہے، جو لذیذ ترین زندگی ہے، اور جنتی زندگی کی عکس والی زندگی ہے، والہانہ محبت اپنے ساتھ وہ ساری خصوصیات وصفات لاتی ہے، جو اللہ کو بندے سے مطلوب ہیں۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ فرد کو اپنے بیوی بچوں سے محبت ہوتی ہے، اس محبت کی وجہ سے وہ ان کے دنیاوی مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے خون پسینہ ایک کردیتا ہے، صبح سے رات گئے تک محنت ومشقت کرتا ہے، محبت ازخود اس سے یہ مجاہدے کراتی ہے، اور اسے تھکاوٹ کا احساس تک نہیں ہوتا، جب مادی نوعیت کی محبت کی یہ خصوصیت ہے تو اللہ سے والہانہ محبت اپنے ساتھ فدائیت، والہانہ پن، اور قربانی وایثار کی جو ادائیں لاتی

ہے، وہ بے مثال ادائیں ہیں۔

اس وقت انسانیت پر دنیا کی محبت اتنی غالب ہے کہ فرد گویا سراپا مادہ کا مجسمہ بن گیا ہے، اس کو اندر سے کھرچا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا باطن دنیا وسراپا دنیا سے سرشار ہے، دنیا پر فریفتگی کا اس کا حال یہ ہے کہ وہ انسانیت کو بھوکا مار کر بھی ارب پتی، کھرب پتی بنتا ہے اور بننا چاہتا ہے، جن کو مواقع حاصل ہیں وہ بن جاتے ہیں اور جن کو مواقع حاصل نہیں، وہ شب وروز اس کی فکرمندی وآرزو وحسرت میں رہتے ہیں، انسانیت کو درپیش اس بحران کا علاج اللہ سے والہانہ محبت ہی میں پوشیدہ ہے، اس لئے کہ اللہ سے شدید محبت کے نتیجہ میں انسان میں موجود اصل شخصیت روح یا خودشعور ہستی حالت وجد میں آجاتی ہے، وہ خوشی ومسرت سے سرشار ہونے لگتی ہے، انسان کی خودشعور ہستی کی اس خوشی اور تسکین سے دل، نفس، نفسیات اور عقلیت کو بھی محبت کی اس حلاوت کا کچھ حصہ ملنے لگتا ہے، جس سے ان ساری چیزوں کی تسکین کی ازخود صورت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے، جس کی وجہ سے مادی دوڑ میں شریک ہونے اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے، راحت کے مادی سامان کے حصول کی تمنا سرد ہونے لگتی ہے، اس لئے کہ محبت کی حلاوت کا حصہ ان ساری چیزوں کو ملنے لگتا ہے، اس طرح دنیا میں اللہ کی محبت سے سرشار ایک نیا انسان وجود میں آتا ہے، جو اگرچہ دنیا میں رہتا ہے، دنیاوی ضروریات کے لئے معاشی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتا ہے، دنیا کے اپنے حصہ سے دستبردار نہیں ہوتا، لیکن اللہ سے والہانہ محبت کے زیر اثر اس کا دل دنیا کی محبت سے محفوظ ہوجاتا ہے، وہ اللہ کے لئے مال کی قربانی دینے کے جذبات سے سرشار ہوتا ہے۔

اللہ کی محبت کی ان خصوصیات ونتائج کو دیکھ کر یہ کہنا بجا ہوگا کہ انسانی زندگی کو درپیش سارے بحرانوں کی چابی اللہ سے والہانہ محبت سے وابستہ ہے، اس چابی سے تالہ کھلتے ہی انسان کا باطن پاکیزہ ہوجاتا ہے، اور وہ دولت کو حقیر سمجھ کر انسانیت کے جذبات واحساسات کا امین وپاسدار ہونے لگتا ہے۔

اللہ کی جس محبت سے یہ ساری صفات وابستہ ہوں، محبت کی اس زندگی کو مسترد کرنا، اس سے اعراض کرنا کتنی بڑی محرومی کی بات ہے۔

انسانیت کی نجات وبہبود کا یہ نکتہ خون جگر سے رقم کیا جائے، تاکہ شاید مادیت

میں مستغرق انسانیت پر اس کا کچھ اثر ہو۔

اپنے مجاہدوں پر ناز کرنے کی روش سے بچنے کے لئے کوشاں ہونا

۸۹۔نفس اور شیطان کی ایک کاوش یہ ہوتی ہے کہ وہ طالب پر اپنے مجاہدوں پر ناز کرنے، اپنے افضل اور بہتر ہونے اور اللہ کے دوسرے نیک بندوں کے غیر افضل اور کم تر ہونے کے وسوسے ڈالتا رہتا ہے، فرد نے اگر ان وسوسوں پر قابو نہ پایا اور اس معاملہ میں سختی سے اپنا محاسبہ نہ کیا تو شیطان ان وسوسوں کو طاقتور بنا کر، فرد کو اپنے بڑے بزرگ ہونے یا اپنے برتر اور دوسرے افراد کی تحقیر کی نفسیات کا حامل بنا دیتا ہے، اس طرح وہ نفسیاتی طور پر اپنے آپ کو افضلیت کے مقام پر فائز سمجھنے لگتا ہے، یہ نفس وشیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے، جس میں وہ فرد کو دین کے نام پر، بزرگی کے نام پر، اور ذکر وفکر کے مجاہدوں کے نام پر مبتلا کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے، حقیقی بندہ مؤمن باریک بینی اور خود احتسابی سے کام لے کر، اس طرح کے وسوسوں کو پالنے نہیں دیتا، اس طرح کے سارے مواقع پر وہ نفس کو یہ نکتہ سمجھاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں مجاہدے کرنے والے بے شمار افراد موجود ہیں، ان کے مقابلہ میں تمہارے مجاہدے تو صفر ہیں، کہاں اللہ کے متقی اور اس کے محبوب بندے، کہاں تم جیسا سیہ کار فرد۔

بندہ اس طرح کے مواقع پر نفس کو دوسرا نکتہ جو سمجھاتا ہے، وہ یہ ہے کہ اصل چیز اللہ کے ہاں مقبولیت ہے، اعمال چاہے کتنے ہی ہوں اور ذکر وفکر کے مجاہدے بھی کتنے ہی ہوں، اگر اس شان عظمت کی حامل ہستی نے ان مجاہدوں کو اپنی شان عظمت سے منافی تر سمجھا اور اپنے ہاں قبولیت کے لائق نہ سمجھا تو اس صورت میں فرد محبوب کے عتاب ہی کا مستحق ہو سکتا ہے، نہ کہ معافی کا۔

یہ احتسابِ مسلسل، بندہ مؤمن کو اپنے افضل، بہتر اور بزرگ ہونے، دعویٰ کی راہ پر گامزن ہونے اور اپنے زیادہ معتقدین ہونے کی وجہ سے ناز کرنے کی راہ اختیار کرنے سے بچاتا رہتا ہے اور اسے چھوٹا بن کر رہنے، اپنے آپ کو حقیر تر اور سیاہ تر سمجھنے اور دوسروں کے بارے میں حسن ظن قائم رکھنے کی نفسیات کا حامل بنا دیتا ہے، اس طرح بندہ مؤمن، دعویٰ اور بڑے پن کے راستے مسدود کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اپنی بزرگی اور اپنی افضلیت سے مکمل دستبرداری مجاہدوں کی راہ اختیار کرنے والے طالب کے لئے سب سے زیادہ دشوار تر کام ہے، اس لئے کہ نفس وشیطان اپنے غیر معمولی مجاہدوں کے مغالطے دے کر، اسے ہر پھر کر اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے اور دوسروں کی بزرگی کو مشکوک سمجھنے کا حامل بناتا ہے۔

حقیقی طالب اس معاملہ میں نفس سے آخر وقت تک مزاحمت کرتا رہتا ہے، اس معاملہ میں اس کی حساسیت کی وجہ سے محبوب حقیقی اسے اس نازک گھاٹی سے بالآخر خیر وخوبی سے گزار ہی دیتا ہے۔

اس انعام پر وہ زندگی بھر اپنے رب کی شکر ادائیگی میں مصروف رہتا ہے، اس لئے کہ دعویٰ، بزرگی اور اپنی انانیت کے نفسیاتی ڈھانچہ کی گھاٹی سب سے خطرناک اور سب سے نازک گھاٹی ہے، اس گھاٹی سے بہت ہی کم افراد محض اس کے فضل خاص سے پار ہو جاتے ہیں۔

دعویٰ اور اپنے آپ کو افضل سمجھنے کی بعض علامتیں

۹۰۔دعویٰ اور بڑے پن کی علامتوں میں سے بعض علامتیں یہ ہیں۔

اپنی ذاتی اصلاح سے زیادہ دوسروں کی اصلاح کے پیچھے پڑنا، اس اصلاح کے پردے میں ان کی تنقیص کرنا، موقعہ بے موقعہ معاصر شخصیتوں کو بے جا تنقید کا نشانہ بنانا، معاشرے میں دوسری شخصیتوں کو ابھرتے ہوئے دیکھکر حسد کا شکار ہونا اور ان کو گرانے کی خواہشوں کا غالب ہونا، اپنی بزرگی کے قصے بیان کرکے، اپنے لئے بزرگی کی فضا ہموار کرنے کے لئے کوشاں ہونا، دادوستائش کی خواہشوں کو پالتے رہنا اور دوسروں کی طرف سے دادو تحسین کی امید رکھنا اور اس پر خوشی ومسرت کا ہونا۔ وغیرہ وغیرہ

جدید ذہین افراد کی دو کمزوریاں

۹۱۔معاشرے کے ذہین اور باصلاحیت افراد کی دو کمزوریاں ایسی ہیں، جو انہیں معاشرے کے لئے مفید وکارآمد بنانے کی راہ میں سخت رکاوٹ ہیں، ایک اعتراض کی نفسیات دوسری ضد کی بیماری ان دونوں کمزوریوں کا آخری نتیجہ حق بات قبول کرنے سے اعراض، خوداعتمادی کا بحران اور احساس کمتری یا احساس برتری کا شکار ہوجانے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

یہ دونوں بیماریاں اول تو نفس کی پیداوار ہیں، لیکن جدیدیت کی فکری لہروں نے جدید علمی طبقات کی ان بیماریوں میں اضافہ کیا ہے، جس کی وجہ سے دوستوں، عزیزوں اور دفتری وکاروباری وجماعتی ساتھیوں کے درمیان افتراق وانتشار کی حالت پیدا ہوگئی ہے۔ اور باصلاحیت جدید طبقوں سے وابستہ شخصیتوں میں تیزی سے ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہے۔

اللہ، اللہ کرنا، دنیا کو باقی رکھنے کا ذریعہ

۹۲۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ دنیا کو باقی رکھنے والی چیز اللہ اللہ کرنا ہے، جب دنیا میں ایک فرد بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود نہ ہوگا تو دنیا کا بستر گول کردیا جائے گا یعنی پھر دنیا کے قائم رہنے کا جواز ختم ہوجائے گا اور قیامت قائم ہوگی۔

بالکل اسی طرح انسان کا دل، نفسیات اور پورے انسانی جسم کے درمیان ہم آہنگی، اعتدال اور توازن پیدا کرنے کا ذریعہ اللہ کا ذکر ہے، جب اللہ کے ذکر سے محرومی ہوگی یا اللہ کا ذکر برائے نام ہوگا تو انسانی شخصیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگی اور وہ اندر سے کھوکھلی ہوجائے گی اور مزاج کے خلاف معمولی سے معمولی واقعہ فرد کی داخلی زندگی میں تہلکہ برپا کردے گا اور فرد داخلی طور پر اضطراب کے اس طرح کے انگاروں پر لیٹنے لگے گا کہ زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے گا۔

اہل اللہ کو ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ کی بے رحم طوفانی موجیں ان کے اندر میں بھونچال پیدا کرنے یا انہیں متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی، وہ ہر طرح کے حالات میں پُرسکون رہتے ہیں اور ان کی صحبت میں آنے سے خود ہم پر سکون وسکینت کی فضا طاری ہونے لگتی ہے، اس کا سبب یہی ہے کہ ان کا دل ذکر کے نور سے آباد، شاداب اور منور رہتا ہے۔

اہل اللہ کی زندگیوں میں ہمارے لئے یہ پیغام ہے کہ مادیت کی طوفانی لہروں اور اس کے اثرات بد سے شخصیت کو داخلی بحران سے دوچار ہونے کی بجائے ہمیں اللہ کے کثرت ذکر سے اپنے وجود کو سراپا باعث وخیر وبرکت بنانا چاہئے۔ اسی سے ہماری سعادت دارین وابستہ ہے۔ دوسری صورت میں اعمال صالحہ اور انسانی جوہروں سے بے بہری کی وجہ سے یہ زندگی بھی عذاب کا نمونہ بن جائے گی تو آخرت کی زندگی تو اس سے زیادہ سخت ہوگی۔

فرد کو زندگی کے جس مرحلہ پر بھی یہ نکتہ سمجھ میں آجائے، اسے ہمت وحوصلہ سے کام لے کر، اللہ کی محبت کی دنیا میں داخل ہوکر ذکر کے مجاہدوں سے کام لے کر اپنے لئے اس زندگی اور آخرت کی زندگی کو جنت کا منظر بنانا چاہئے۔

اس سلسلہ میں ماضی کی سیاہ کاریوں کو دیکھکر، مایوسی اور حوصلہ ہارنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اللہ کی رحمت وسیع ہے۔ اللہ توبہ سے سارے گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ اے ابن آدم، اگر تمہارے گناہ زمین سے لے کر آسمان کی چوٹی تک بھی ہوں تو توبہ سے میں انہیں معاف کردوں گا، دوسری حدیث شریف میں ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے، جیسے اس نے گناہ کئے ہی نہیں۔

نفس کی فنا اور اس کے مراحل

فنائے نفس کے بغیر نفس کا مہذب نہ ہونا

۹۳۔ صوفیائے کرام کے یہاں نفس کی خواہشات کی پامالی اور نفسی قوتوں کو فنا کے گھاٹ اتارنے کے لئے ذکر وفکر کا ایک کورس ہے، اس کورس کی تکمیل کے بعد نفس بڑی حد تک مہذب ہوجاتا ہے اور وہ سلیقۂ انسانیت سے بہرہ ور ہوجاتا ہے اور اس کی حیوانی صفات بڑی حد تک تبدیل ہوجاتی ہیں۔

معاشرہ میں جب تک صوفیائے کرام کے فیوض وبرکات سے بھرپور استفادہ کا میلان غالب رہا، معاشرے میں خیر اور حق وصداقت کا چلن رہا اور افراد معاشرہ میں محبت، رواداری اور خیرسگالی کی فضا موجود رہی۔ جب حقیقی اہل اللہ سے اعراض کی فضا غالب ہوئی تو افرادِ معاشرہ اپنی ہی نفسی قوتوں کے ہولناک فساد سے دوچار ہوئے۔

صوفیائے کرام کے یہاں طالب کا نفس کی فنا کا عمل پہلے ہی دن سے شروع ہوجاتا ہے، جس دن سے وہ اللہ کی محبت میں داخل ہوکر، ذکر وفکر شروع کردیتا ہے، اسی دن سے اس کے نفس کے فنا کا سفر شروع ہوجاتا ہے۔ اور وہ آہستہ آہستہ نفس کی خوفناک وادیوں اور گھاٹیوں سے گزرنے لگتا ہے۔

نفسی قوتوں کی یہ گھاٹیاں ایسی شدید اور دشوار گذار ہوتی ہیں کہ ان گھاٹیوں سے سے گذرتے ہوئے وہ روزانہ تھکاوٹ کے احساس میں شدت سے دوچار ہونے لگتا

ہے، اگر ان گھاٹیوں کو طے کرنے کے سلسلہ میں حوصلہ وہمت اور مستقل مزاجی سے کام لینے لگتا ہے تو وہ انسانی نفس کی کارستانیوں اور اس کی خصوصیات کی ایسی دنیا سے آشنا ہونے لگتا ہے، کہ اہل علم، اہل دانش اور اہل عقل کو اس کی شد بد بھی نہیں ہوتی۔

طالب کی مستقل مزاجی کے نتیجہ میں نفس کی فنائیت کے بہت سارے مراحل طے ہوتے رہتے ہیں، نفس کی مکمل فنائیت میں کافی وقت لگتا ہے۔ اس میں پندرہ، بیس اور پچیس سال بھی لگ سکتے ہیں، لیکن بیس پچیس سال کے مجاہدوں کے نتیجہ میں اگر نفس جیسا طاقتور درندہ جو سارے درندوں کی طاقت سے بھی بڑھکر طاقتور ہے، وہ اگر مطیع ہوجائے اور زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ ورسول کی اطاعت کی حلاوت سے فیضیاب ہوجائے تو یہ سستا سودا ہے اور بہت بڑی کامیابی ہے، اتنی بڑی کامیابی کہ دنیا کی ساری دولت خرچ کرکے بھی حاصل ہو تو آسان سودہ ہے۔ (واضح رہے کہ معاشی طور پر مصروف فرد کا سلوک مختصر ہوتا ہے، اس کے لئے روزانہ کا ڈیڑھ سے دوگھنٹہ کا ذکر کافی ہوتا ہے اس سے نفس لوامہ کا سفر بہتر طور پر طے ہوتا ہے)۔

نفس جب فنائیت کے مراحل طے کرتا ہے تو اس کے مکر وفریب کی واردات سامنے آتی رہتی ہیں۔ اور جاہ، مال، حرص وہوس اور شہرت وغیرہ کے جذبات کی وسیع دنیا فرد پر آشکار ہونے لگتی ہے۔ اور ذکر کی برکت سے اس کا حیوانی قوتوں وجذبات کی تہذیب کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔

راہ سلوک میں چلتے چلتے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جاہ، مال، حرص وہوس اور شہرت جیسے رزائل کی تہذیب اور ان کے سنورنے کا عمل بڑی حد تک پورا ہوجاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ فرد کے اندر سے بڑے پن، اپنی بزرگی اور شہرت کی ہوس نکل جاتی ہے۔ زہد، فقر اور دنیا سے استغنا کا اس کا مزاج راسخ ہونے لگتا ہے۔ مالداروں کی راحت اور دنیا طلبی والی زندگی سے اس کے دل میں کراہت پیدا ہوجاتی ہے، اس کا دل انسانیت کے جذبات سے سرشار ہوجاتا ہے، حمیت دین اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ عاجزی، مسکینی، رواداری، نرمی ومحبت جیسی صفات اس کا خاصہ بن جاتی ہیں۔

فنا کا یہی مقام ہوتا ہے، جہاں طالب کے ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدے ختم ہوجاتے ہیں، اس کے بعد ذکر وفکر کی کم خوراک سے اس کے دل وروح کی تشفی ہونے لگتی ہے، اب طالب کی زیادہ تر صلاحیتیں خدمت کے کاموں میں صرف ہونے لگتی ہیں۔

اگر صبر آزما مجاہدوں کے مراحل سے گزارے بغیر طالب کو قبل از وقت بزرگی وخلافت کے منصب پر فائز کردیا گیا تو ایسا طالب اگر بہتر ذہنی وعلمی اور خطابت کی صلاحیتوں کا بھی حامل ہے تو چونکہ اس کی نفس کی فنائیت کا سفر مکمل نہیں ہوا ہوتا، وہ ابھی درمیانی مرحلہ میں ہوتا ہے اور اس کی نفسی قوتیں مشتعل ہوتی ہیں، اس لئے اس طرح کے خلافت یافتہ افراد بہت زیادہ خطرے میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ وہ اس بزرگی کو جاہ، مال اور شہرت کے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ انہیں قبل از وقت ان کی طلب پر یا ان سے حسن ظن کی بنا پر انہیں بزرگی دی گئی، اس لئے بزرگی کی روپ میں دنیاداری کی لائین ہی ان کا ہدف بن جاتی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ دولت کے حریص ہوتے ہیں، اپنی زندگی کے معیار کو بلند سے بلند تر کرنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں، وہ اکابر بزرگان دین کی فقر کی زندگی کو لاحاصل سمجھتے ہیں، فنائیت کے مقامات کی تکمیل کے بغیر بزرگی کی مسند حاصل ہونے کا عام طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نفس کے حوالے نہ کرے اور اس طرح کی آزمائشوں سے حفظ وامان میں رکھے۔ (آمین)

موجود دور میں حقیقی اہل اللہ کے یہاں تو اس بات کا خصوصی اہتمام موجود ہے کہ نفس کی فنائیت کے سارے مراحل کی تکمیل کے بعد ہی وہ خلافت عطا فرماتے ہیں، چنانچہ اس طرح کے صبر آزما مجاہدے کرنے والے طالب اس دور میں کم ہی ہوتے ہیں، اس لئے حقیقی اہل اللہ کے یہاں، بہت ہی کم افراد کو یہ منصب عطا ہوتا ہے، البتہ وہ صاحبان جنہیں آسانی سے یا مانگنے سے خلافت ملتی ہے، ان کے یہاں خلافت کا کوئی خاص معیار موجود نہیں۔ وہ اپنے حلقۂ اثر کو بڑھانے کے لئے خلافت کی تقسیم میں فیاضی سے کام لیتے ہیں، جس سے معاشرے میں اہل تصوف کا وقار مجروح ہوتا ہے۔

بعض بزرگوں کے یہاں خلافت کی تقسیم میں فیاضی کا عمل بڑے اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن اکابر بزرگان دین کے اصولوں کی خلافت ورزی کتنے ہی اخلاص کے ساتھ ہو، اس کے اثرات ونتائج سے بچنا تو محال ہی ہوتا ہے۔

حقیقی اہل اللہ کی کچھ علامتیں

۹۴۔ حقیقی اہل اللہ شہرت، نام ونمود، پبلسٹی اور اس کے ذرائع سے دور رہتے ہیں۔ وہ گوشہ نشین ہوتے ہیں، اپنے آپ کو ظاہر ہونے نہیں دیتے، پیر طریقت، رہبر شریعت اور شیخ المشائخ جیسے القاب کے اپنی طرف انتساب کو وہ اپنی روحانی ترقی کی راہ

میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔

وہ جلسہ وجلوس اور اشتہارات کے ذریعہ اپنے مریدوں میں اضافہ کی لائین ہرگز اختیار نہیں کرتے، اس لئے کہ نفسی قوتوں کی جن گھاٹیوں سے وہ گزرے ہیں، اس طرح کے سارے مواقع پر وہ گھاٹیاں انہیں یاد آتی ہیں اور شہرت کے اس طرح کے ذرائع کے ذریعہ وہ نفس کو ابھرنے کا موقعہ دینا نہیں چاہتے۔

اہل اللہ، حقیقی طالبوں سے محبت کرتے ہیں، اور انہیں وہ اپنا سرمایہ سمجھتے ہیں۔

حقیقی اہل اللہ سے ملاقات اور رابطہ میں کوئی روک ٹوک یا رکاوٹ نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ اپنے منصب کا لحاظ رکھتے ہوئے، اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی مخلوق کو دیتے ہیں، تاکہ ان کی خدمت ہو سکے۔ یہی خدمت ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ حقیقی اہل اللہ کے دلوں میں اپنوں اور غیروں سب کے لئے وسعت موجود ہوتی ہے، وہ سب کے لئے دعا گو ہوتا ہے۔

حقیقی اہل اللہ کی یہی ادائیں ہوتی ہیں، جو لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے جذبہ محبت واحترام پیدا کرنے کا موجب ثابت ہوتی ہیں۔

مسلم امت کی زبون حالی کا سبب
اللہ کے رسول ﷺ کی نظر میں

۹۵۔ آج مسلم امت جس زوال کا شکار ہے کہ سارے طوفانوں کا رخ اسی کی طرف ہے، سارے دشمن مل کر، اس کی تباہی کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ اور پوری مسلم دنیا خون سے لال زار ہے۔

جس طاغوت نے امت پر یہ جنگ مسلط کی ہے اور ہر طرح کی سازشوں کا نشانہ بنایا ہے۔ مسلم امت کے حکمران اسی طاغوت کو اپنا سرپرست بنائے ہوئے ہیں۔

اس ساری صورتحال کے اسباب کا جائزہ لیں گے تو دو جملوں میں یہ کہا جائے گا کہ یہ ساری صورتحال دنیا سے محبت اور آخرت کی فکر کے خاتمہ کا نتیجہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ایک حدیث شریف میں اس کی نہایت بہتر نشاندہی فرمائی ہے۔

آپ نے فرمایا، ایک دور آئے گا جب کافر قومیں، مسلمانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی، جس طرح بھوکا دسترخوان پر ٹوٹ پڑتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول

اللہ، کیا اس وقت مسلمان تعداد میں کم ہوں گے (کہ اس کی وجہ سے یہ صورتحال پیدا ہوگی) آپ نے فرمایا، نہیں وہ کثرت سے ہوں گے (ان کی تعداد زیادہ ہوگی) صحابہ کرام نے دریافت کیا، یا رسول اللہ، پھر اس کا سبب کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا، وہ وھن کی بیماری میں مبتلا ہوں گے۔ صحابہ نے دریافت کیا، وھن کیا ہے آپ نے فرمایا، دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔

یہ حدیث شریف ایسی ہے، جس کے آئینہ میں ہم اپنے چہرے کو دیکھ سکتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا زوال خالص داخلی نوعیت کا ہے، حب مال، حب جاہ اور موت سے کراہت نے ہم سے وہ ساری صفات اور جوہر سلب کر لیے ہیں، جو دشمن کی دلوں میں ہماری مرعوبیت پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتے تھے۔

دولت اور تحفظ اقتدار کی خاطر دشمن کا آلہ کار بننا، یہ سارے عالم اسلام کے حکمرانوں، افسروں اور مراعات یافتہ طبقوں کی عادت ثانیہ بن چکی ہے، اس طرح کی اخلاقی زبوں حالی کی صورتحال میں ہم دشمن کے ہاتھوں پامال اور ذلیل نہ ہوں گے تو اور کیا ہوں گے۔

ضرورت ہے کہ ہم خود احتسابی سے کام لے کر، اپنے آپ کو اندر سے تبدیل کریں اور دنیا سے استغنا کے ساتھ اپنی زندگی میں مجاہدانہ رنگ پیدا کریں۔ اور دشمن پر یہ ثابت کریں کہ وہ نہ تو ان کے ہاتھوں فروخت ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی تہذیب سے مرعوب ہو کر، اپنی پاکیزہ تہذیب سے دستبردار ہو سکتے ہیں۔

اس کردار سے ہی ہم دوبارہ زندگی کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

حاصل کلام

۹۶۔ بندہ مومن افراط وتفریط سے محفوظ ہوتا ہے، حالات ومسائل کے بارے میں اس کا تجزیہ غیر جذباتی اور سنجیدگی ووقار کا پہلو لئے ہوتا ہے۔ اس کی حمایت ومخالفت میں اعتدال وتوازن غالب ہوتا ہے۔ اس کی گفتگو سنجیدگی پر مشتمل ہوتی ہے، وہ ردعمل کا شکار ہو کر رائے قائم نہیں کرتا، وہ جماعتی اور گروہی عصبیت سے بلند ہوتا ہے۔ اس کی اصل جماعت امت اور ملت ہوتی ہے، دین کا کام کرنے والے سارے گروہوں کے کام کو وہ اپنا کام سمجھتا ہے۔

اس اعتبار سے ساری دینی و مذہبی جماعتیں گویا اس کی اپنی ہوتی ہیں، وہ ان جماعتوں کی نفی یا تردید وتحقیر برداشت نہیں کرتا، البتہ ان کے کمزور پہلوؤں کا ادراک رکھتا ہے۔

ملت اسلامیہ کی وحدت کے بارے میں وہ زیادہ حساس ہوتا ہے۔ کفر اور کفر کی طاقتوں اور ملت کی سازشوں کے سلسلہ میں اس کی حس شدید ہوتی ہے۔ وہ اپنوں کے لئے شفیق ونرم اور دشمنان اسلام کے لئے سخت ہوتا ہے۔

غریب، مسکین اور محتاجوں کے لئے اس کا دل بے قرار ہوتا ہے، اور ان کی مدد کے لئے اپنی بساط کے مطابق کوشاں ہوتا ہے۔

اپنوں اور غیروں سب کے بارے میں اس کی رائے میں نفسانیت شامل نہیں ہوتی۔

وہ اہل خانہ کو مناسب وقت دیتا ہے، اور حکمت کے ساتھ ان کی تربیت کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ وہ اپنے غریب عزیز واقارب کی مالی مدد کرتا ہے، اگر وہ ضرورت محسوس کرتا ہے تو اس کے لئے ایک فنڈ قائم کرتا ہے۔

وہ وقت کو سب سے قیمتی سمجھتا ہے، اس لئے وہ وقت کے ضیاع کا محتمل نہیں ہوتا۔ وہ وقت کے استعمال میں پوری منصوبہ بندی سے کام لیتا ہے۔ اس کا بیشتر وقت ذکر،عبادت، علمی، دعوتی وسماجی خدمت کے کاموں میں صرف ہوتا ہے۔

وہ جلد باز نہیں ہوتا، اپنے کاموں اور لوگوں سے معاملات کے سلسلہ میں وہ پوری طرح غور وفکر سے کام لیتا ہے۔

وہ خوداعتمادی سے بہرہ ور ہوتا ہے، وہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی متوازن رہتا ہے اور حالت سکون میں رہتا ہے۔ وہ مادی قوتوں اور سرمایہ داروں اور اہل دنیا سے مرعوب نہیں ہوتا، وہ احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتا، وہ مالی وسائل کی کمی سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔

ان سے محبت کرنے والے اللہ کی محبت کی لذت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ جو ان سے جتنا زیادہ قریب ہوتا ہے، محبت کی کشش اسے اتنی زیادہ کھینچنے لگتی ہے، ان سے محبت کے نتیجہ میں دل، دنیا سے سرد ہونے لگتا ہے اور فکر آخرت سے سرشار ہونے لگتی ہے۔

وہ خودثنائی سے محفوظ ہوتا ہے، بلکہ وہ اسے اپنے لئے سم قاتل سمجھتا ہے۔ وہ اپنے متوسلین سے مفادات وابستہ نہیں رکھتا، وہ مزاج کے خلاف لوگوں کے رویوں اور باتوں

کو آخری حدتک برداشت کرنے کی صلاحیت کا حامل ہوتا ہے۔ مادی ضروریات کے حوالے سے اس کی کوئی لمبی چوڑی فہرست نہیں ہوتی، وہ کم سے کم مادی چیزوں پر قناعت کرنے کی صلاحیتوں کا حامل ہوتا ہے۔ وہ تحفے ضرور قبول کرتا ہے، لیکن وہ دل میں اس کا بوجھ محسوس کرتا ہے، اور اس بات کے لئے کوشاں ہوتا ہے کہ تحفہ کے بدلہ میں بہتر تحفہ دیا جائے۔

وہ اپنے زیر تربیت افراد سے زیادہ محبت کرتا ہے اور ان کو زیاہ سے زیادہ وقت دیتا ہے، اس لئے کہ اس کا اصل سرمایہ وہی ہوتے ہیں۔ وہ تبصرہ برائے تبصرہ اور تجزیہ برائے تجزیہ کا قائل نہیں ہوتا، وہ لایعنی باتوں میں وقت صرف نہیں کرتا اور اس سے ملنا آسان ہوتا ہے۔

وہ ہر ذہنی سطح کے افراد سے ان کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کرتا ہے، وہ لوگوں کے قصوروں کو معاف کرتا ہے اور معاملات کے سلسلہ میں ان کی کوتاہیوں سے صرف نظر کرتا ہے۔ وہ خیر اور سراپا خیرخواہی کا نمونہ ہوتا ہے، وہ سراپا محبت ہوتا ہے۔

محبت کے آداب ورموز اسی سے سیکھے جا سکتے ہیں۔ وہ حکمت، فراست اور بصیرت کا صاحب ہوتا ہے۔

بندہ مومن کی یہ ساری صفات، اللہ سے والہانہ محبت کے زیر اثر نفسی قوتوں کی فنائیت اور اللہ کے ساتھ حالت بقا ہونے کے نتیجہ میں ہی پیدا اور ارتقا پذیر ہوتی ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ اپنے خاص بندوں کی ان صفات وخصوصیات اور ان کی غیر معمولی ایمانی کیفیات کے کچھ اجزاء مجھ جیسے سیاہ کار کو بھی عطا فرمائے۔ (آمین)